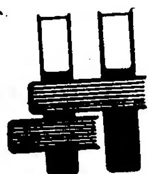
آخری عہدِ مغلیہ کا ہندوستان

ڈاکٹر مُبارک علی



فکشن ہاؤس
۱۸-مزنگ روڈ، لاہور

نام کتاب = آخری عہد مغلیہ کا ہندوستان

پبلشرز = فکشن ہاؤس

18مزنگ روڈ لاہور فون 7249218,7237430

پرنٹرز = زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

سرورق = ریاظ

اشاعت = 1994

قیمت = 90روپے

فہرست

صفحہ نمبر

انتساب

ذکیہ مبارک کے نام

پیش لفظ

(نئے ایڈیشن کے لئے)

آخری عہد مغلیہ کا یہ نیا ایڈیشن ہے۔ اس میں کچھ نئے ابواب بھی شامل ہیں اور ساتھ ہی اس کتاب میں ترامیم و اضافے بھی کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ یہ ایک ایسے دور کے بارے میں ہے کہ جو سیاسی لحاظ سے انتشار' ابتری اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا اور اس کا اثر حکمراں طبقوں سے نکل کر عام معاشرہ پر پڑ رہا تھا۔ ایک انتشار زدہ معاشرہ کس ذہنیت کو پیدا کرتا ہے اور کس طرح سے پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ یہ اس کتاب کا موضوع ہے۔

اس کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ اس عہد میں اور آج کے حالات میں مماثلت نظر آتی ہے۔ اگرچہ تاریخ کا عمل ہر دور میں جدا ہوتا ہے اور اس کے نتائج بھی مختلف نکلتے ہیں' مگر ماضی ہمیں حالات کو سمجھنے کی فکر دیتی ہے اور یہی فکر ہمیں ان کے حل کی طرف لے جاتی ہے۔

یہ کتاب اس عہد کے تمام پہلوؤں پر حاوی نہیں۔ اس لئے جیسے جیسے مطالعہ بڑھتا جائے گا' میری کوشش ہو گی کہ میں ان میں اضافے کرتا جاؤں۔

اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس موضوع پر بے انتہا مواد ہے۔ جو ادب اور تاریخ میں بکھرا ہوا ہے۔ اس لئے اس عہد پر کام کرنے میں اس کی کمی نہیں' اگرچہ تحقیق کی سہولتوں کا فقدان ضرور ہے۔

ڈاکٹر مبارک علی

لاہور (نومبر 1992ء)

مغل زوال کا المیہ

کسی عہد یا دور کا خاتمہ اچانک نہیں ہوتا' اس کے پس منظر میں سیاسی' معاشی اور معاشرتی وجوہات ہوتی ہیں جو اندر ہی اندر بظاہر مستحکم اور مضبوط عمارت کو کھوکھلا کر رہی ہوتی ہیں یہاں تک کہ معمولی حادثوں اور آفات سے یہ عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔ مغل سلطنت جس کی بنیاد بابر نے ڈالی اور جو اکبر کے زمانہ میں اپنے عروج پر پہنچی آگے چل کر حالات کے مطابق اپنے میں کوئی تبدیلی نہیں لائی۔ ایک وقت تک اکبر کا قائم کیا ہوا نظام سلطنت کامیابی سے چلتا رہا' لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اور تاریخی عمل کے نتیجہ میں ہندوستانی معاشرہ میں' تبدیلیاں آنی شروع ہوئیں' جنہیں مغل حکمران طبقہ نہ سمجھ سکا اور وہ اس انتظامی ڈھانچہ اور انتظامی روایات کو تمام مسائل کا حل سمجھتا رہا جن کی بنیاد اکبر نے ڈالی تھی حالانکہ حالات اکبر کے زمانے کے نہیں تھے' ہندوستان کی مختلف قوموں میں قومیت کے جذبات پیدا ہو چکے تھے' خصوصیت سے مرہٹہ' سکھ اور جاٹ' اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ مغل نظام سلطنت میں حالات کے ساتھ ساتھ تبدیلی کی جاتی اور ان ابھرتی ہوئی قوموں کو بھی سلطنت میں برابر کا شریک کیا جاتا۔ ان کی شمولیت نہ صرف مغل سلطنت کے دائرے کو وسیع کرتی بلکہ اس میں استحکام بھی پیدا ہوتا۔ مگر اقتدار میں شریک کرنے کے بجائے' مغل ارباب اقتدار نے ان ابھرتی ہوئی قوموں کو اپنی سلطنت اور اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھا اور اس کا حل یہ نکالا کہ قوت و طاقت کے استعمال سے ان کی سرکوبی کی جائے اور ان کی بیداری کی تحریکوں کو شورش و بغاوت کہہ کر سختی سے کچلا جائے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغل سلطنت چاروں طرف سے مخالفین میں گھر گئی اور مغل حکمران طبقے جو تورانی و ایرانی' سنی و شیعہ اور ذاتی مفادات کی وجہ سے مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے' ان بغاوتوں کو ختم نہیں کر سکے' مغل سلطنت میں جب اقتدار کو برابر محدود کیا جاتا رہا تو اس کا نتیجہ تنگی اور گھٹن میں نکلا اس کے حامی برابر

کم ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ یہ اس درخت کی مانند ہو گئی جو صحرا میں تن تنہا کھڑا آفات کا مقابلہ کر رہا ہو اور بالآخر فطرت کی سختیوں کے سامنے سر جھکا کر سوکھ کر ختم ہو گیا ہو۔

تاریخ میں کسی ایک عہد' دور یا اس دور کی اہم شخصیت کو جانچنے' پرکھنے اور دیکھنے کے لئے' ضروری ہوتا ہے کہ اس کے پس منظر اور اس کے پہلے ہونے والے واقعات اور ان کے اثرات کو دیکھا جائے کیونکہ ہر دور اپنے سے پہلے والے دور کی پیداوار ہوتا ہے۔ جب تک اسے نہیں سمجھا جائے گا اس وقت تک آنے والے زمانے کو نہیں سمجھا جا سکتا' مثلاً" اٹھارویں صدی کا ہندوستان سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ سترہویں صدی کے ہندوستان کا مطالعہ کیا جائے جس کے بطن سے یہ دور پیدا ہوا اور جس نے اس عہد کی روایات و اقدار کو ورثہ میں پایا۔ اسی طرح تاریخی شخصیتوں کا مطالعہ تاریخی پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ انہیں وقت کی تبدیلیوں کے ساتھ درجہ بدرجہ اور عہد بہ عہد کیا ورثہ میں ملا۔

تاریخ کے مطالعہ میں جب قومی' فرقہ وارانہ اور نسلی جذبہ آ جاتا ہے تو وہ تاریخ کے مطالعہ کو سکیڑ کر تنگ کر دیتا ہے' آخری عہد مغلیہ کے دور اور انگریزی اقتدار کا مطالعہ ہمارے ہاں اسی تاریخی کم نظری کا شکار ہے' مغل حکومت کے زوال اور انگریزوں کی کامیابیوں کو ان کی چال بازی' مکاری اور فریب بتایا جاتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے ہندوستان کے حکمران معصوم ٹھہرتے ہیں اور تمام الزام انگریزوں کے سر لگا دیا جاتا ہے۔ مثلاً" واجد علی شاہ بذات خود نیک شریف اور عمدہ خوبیوں کے انسان تھے مگر انگریزوں نے سازش کر کے انہیں بگاڑ دیا اور ان اصلاحات سے انہیں روک دیا جو وہ ملک و عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کرنا چاہتے تھے۔

تاریخ کا یہ نقطہ نظر بڑا معصومانہ ہے' کیونکہ اس کے بعد واجد علی شاہ کی شخصیت' ان کے عہد اور ان کے عہد کی روایات و اقدار جو انہوں نے ورثہ میں پائی تھیں اور ہندوستان کے تبدیل ہوتے ہوئے سیاسی' معاشی و معاشرتی حالات اور ان کے تجزیہ کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ صحیح ہے کہ اگر واجد علی شاہ کو ان کی ادبی حیثیت سے دیکھا جائے یا انہیں بحیثیت موسیقار پرکھا جائے اور یا انہیں بحیثیت عام

انسان جانچا جائے تو ان کی حیثیت بڑی ہو سکتی ہے' جیسے ہم میر' سودا اور غالب کو دیکھتے ہیں اور ان کی ادبی تخلیقات کی وجہ سے ہم ان کا ادب میں مقام متعین کرتے ہیں لیکن واجد علی شاہ محض ادیب شاعر' ڈرامہ نویس اور موسیقار ہی نہیں تھے بلکہ وہ حکمران بھی تھے اور اس حیثیت سے وہ ایک تاریخی شخصیت ہو جاتے ہیں جو اودھ کے زوال پذیر فرسودہ اور کھوکھلے معاشرے اور اس کی تہذیب کی علامت تھے ایک ایسا معاشرہ جس میں حکمران امراء اور جاگیردار مل کر کسانوں' کاشتکاروں' دست کاروں اور ہنرمندوں سے قدر زائد وصول کر کے ایک بے روح ثقافت پیدا کر رہے تھے اس پس منظر میں ان کی شاعری' ڈرامے موسیقی تقریبات و تہواران کا اصراف' حرم میں عورتوں کی تعداد اور ان کے مشغلہ یہ سب جرائم نظر آتے ہیں۔

تاریخ میں جس چیز کی اہمیت ہے وہ یہ کہ کوئی شخصیت معاشرہ پر کس قدر اثر انداز ہوئی کسی شخص کی نیکی' رحم دلی' پاکیزگی اور مذہبی خوبیاں اگر تاریخی عمل کو معاشرے کی بہبود کی طرف موڑنے میں ناکام ہو گئیں' تو ایسی شخصیت تاریخی عمل میں اپنی قدر و قیمت کھو دیتی ہے۔

اسی پس منظر میں بہادر شاہ کی شخصیت کو دیکھا جا سکتا ہے' جو بحیثیت انسان اور شاعر کے قابل احترام تھا' لیکن جب ہم اس کی تاریخی شخصیت کو تاریخی عمل میں دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں زوال شدہ مغل تہذیب و ثقافت کی علامت نظر آتا ہے جس میں عمل' جوش' ولولہ اور جذبہ مفقود تھا۔ جو تن بہ تقدیر حالات کے ساتھ بہنے پر تیار تھا۔ جب بخت خاں آخر وقت میں اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے تو وہ انکار کرتا ہے عمل اور جدوجہد سے یہ فرار اس کی شخصیت ہی نہیں بلکہ اس پورے عہد کے حکمران طبقوں کی بے عملی اور فرسودگی کی غمازی کرتا ہے مغل معاشرہ اس کی شخصیت میں آتے آتے اپنی توانائی اور طاقت کھو چکا تھا اور ایک بے روح اور کھوکھلے ڈھانچہ میں تبدیل ہو چکا تھا۔

واجد علی شاہ اور بہادر شاہ کی شخصیتوں نے آہستہ آہستہ اپنے بزرگوں کی کمزوریوں کو ورثہ میں پایا تھا' مثلاً" شجاع الدولہ سے لے کر واجد علی شاہ تک' ہر حکمران نے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کی خاطر انگریزوں کو مراعات دیں' کمپنی کی حمایت

کی خاطر وہ رضاکارانہ طور پر اس کی سیاسی و اقتصادی مدد کر رہے تھے یہاں تک کہ وہ گھٹتے گھٹتے کمزور ہوتے چلے گئے اور کمپنی برابر طاقت ور ہوتی چلی گئی' یہی صورت حال بہادر شاہ ظفر کی تھی پہلے پہلے مغل حکمرانوں نے اپنی طاقت اپنے امراء کے حوالے کی' اس کے بعد وہ مرہٹوں اور انگریزوں کے دست نگر ہوئے ایک مرتبہ جب وہ انگریزوں کے وظیفہ خوار ہو گئے تو ان کا وقار' احترام اور عظمت اسی دن ختم ہو گئی اور مغل بادشاہت کا ادارہ کمپنی کے لئے ایک بوجھ بن گیا' کیونکہ یہ ادارہ اپنی افادیت کھو چکا تھا' اس لئے اگر 1857ء کا ہنگامہ نہیں ہوتا' تب بھی اس کا خاتمہ لازمی تھا۔ لہٰذا تاریخی عمل میں واجد علی شاہ اور بہادر شاہ زوال' بے عملی اور گرتے ہوئے پژمردہ' فرسودہ اور بے جان ثقافت کی علامت بن گئے' جن میں ماضی کی اور ان کے آبا و اجداد کی تمام برائیاں جمع ہو گئیں۔ یہ دونوں اس لحاظ سے بدقسمت تھے کہ تاریخ کے عمل نے انہیں اس مرحلہ پر لاکھڑا کیا جہاں سے حالات کو تبدیل کرنا اور تاریخ کے دھارے کو موڑنا ان کے بس میں نہیں تھا۔

لیکن یہ تاریخ کے فیصلہ سے بچ نہیں سکتے ان کے سامنے دو واضح راستے تھے:
ایک تو یہ کہ وہ جن حالات میں پیدا ہوئے انہیں تبدیل کرنے کی جدوجہد کرتے اور اس کی خاطر اپنا اقتدار' مراعات اور عیش و آرام قربان کر دیتے اس کی مثال ٹیپو سلطان کی ہے جس نے شعور و آگہی کے ساتھ' جان بوجھ کر اور سوچ سمجھ کر جدوجہد کا راستہ اختیار کیا اور اپنی جان دے کر آزادی و حریت کی علامت بن گیا اگرچہ یہی راستہ ہندوستان کے دوسرے حکمران اختیار کرتے تو وہ ایک سوئے ہوئے' خوابیدہ اور مدہوش معاشرہ کو جھنجھوڑ سکتے تھے اور اس میں زندگی کی حرارت پیدا کر سکتے تھے۔ مگر ہندوستان کے حکمرانوں نے یہ راستہ اختیار نہیں کیا' اور اپنی مراعات کی خاطر غلامی و ذلت کو برداشت کیا۔

مغل سلطنت و معاشرہ اور تہذیب و ثقافت کا زوال ہماری تاریخ کا ایک المیہ ہے لیکن اس مرحلہ پر اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس المیہ سے ہمارے معاشرے نے کیا سیکھا؟ کیا تاریخ کا یہ المیہ ہمارے خوابیدہ اور بے حس شعور کو بیدار کر سکا؟ اور کیا ہم نے اس سے کوئی سبق سیکھا؟ تاریخی عمل کے اس مرحلہ پر جہاں اس وقت

ہماری قوم اور معاشرہ ہے' وہ اس پراگندگی و انتشار کا شکار ہے جو ہمیں آخری عہد مغلیہ میں نظر آتی تھی انگریزی اقتدار کے خاتمہ کے بعد اقتدار پھر چند طبقوں میں محدود ہو گیا ہے اور اکثریت مجبور محروم' لاچار اور بے کس نظر آتی ہے جس کی تمام توانائی اور طاقت کو نچوڑ لیا گیا ہو۔ اس لئے ایسا محسوس ہوتا کہ ہم نے اس المیہ سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ یہ المیہ تاریخ کے صفحات پر محفوظ کر دیا گیا اور ہماری عملی زندگی اس سے متاثر نہیں ہوئی۔

اس وقت ہمارے معاشرے کی ضرورت نہ صرف زوال کے اسباب کو سمجھنے کی ہے بلکہ اس سے سبق بھی سیکھنے کی ہے تاریخ اگرچہ ماضی کا نام ہے مگر اس کا رشتہ حال سے پیوست ہے اس لئے ہماری ماضی کی تاریخ ہمارے حال کو سمجھنے میں مدد دے سکتی ہے۔

ڈاکٹر مبارک علی

باب اول

مغل زوال ○ ایک تجزیہ

عام طور سے مغلیہ تاریخ کو دو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اول بابر سے لے کر اورنگ زیب تک (1526 تا 1707) اور اس کے بعد 1857 تک جبکہ بہادر شاہ ظفر کو بغاوت کے جرم میں تخت و تاج سے محروم ہونا پڑا۔ اس میں پہلا دور مغل سلطنت کے استحکام' شان و شوکت اور فتوحات کا دور کہلاتا ہے کہ جب انہوں نے دوسری سیاسی قوتوں کو شکست دی اور اپنا اقتدار مضبوط بنیادوں پر قائم کیا۔ دوسرے دور کو سیاسی انتشار' بدامنی اور زوال کا دور کہا جاتا ہے کہ جس میں مغل بادشاہت آہستہ آہستہ کمزور ہوئی اور اس کی جگہ دوسری طاقتوں نے لینی شروع کر دی۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ جب یورپی اقوام نے ہندوستان کی سیاست میں عمل دخل شروع کیا اور بالآخر انگریزوں کو اس کا موقع مل گیا کہ انہوں نے دوسری یورپی اقوام کو راستے سے ہٹا کر خود ہندوستان میں اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اس طرح ہندوستان کی تاریخ میں مغلوں کے بعد ایک اور نسل اور قوم کی حکومت قائم ہوئی کہ جو ہندوستانی ثقافت و روایات سے باہر تھے۔

مغل زوال کے بارے میں مورخوں اور دانشوروں کے نظریات مختلف ہیں۔ ان میں سے اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ مغلوں کے زوال کی تمام ذمہ داری اورنگ زیب پر عائد ہوتی ہے کہ جس نے سیاست میں مذہب کو داخل کر کے مغل ریاست کے سیکولر اداروں کو کمزور کیا۔ اس کے مقابلہ کچھ مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ مغلوں کے زوال کی ذمہ داری اکبر پر عائد ہوتی ہے کہ جس نے اپنی مذہبی رواداری کی بنیادوں پر ہندوؤں کو سلطنت کے معاملات میں شریک کیا' اس کے دو نتیجے نکلے: ایک تو یہ کہ اس کی وجہ سے ہندوستان کی سیاست میں مسلمانوں کا مذہبی تشخص ختم ہو گیا اور دوسرا یہ کہ جب ہندوؤں کو ریاستی عہدے ملے اور انہیں اقتدار میں

حصہ دار بنایا گیا تو ان کی سیاسی خواہشات و عزائم میں اور اضافہ ہوا اور بالآخر اس نے ان میں آزادی اور سیاسی خود مختاری کے جذبات کو پیدا کیا۔ اگر انہیں سیاست سے دور رکھا جاتا اور حکومت میں شامل نہیں کیا جاتا تو وہ اقتدار اور سیاسی طاقت سے نا آشنا رہتے اور اس حالت میں مسلمان حکومت کے وفادار رہتے۔

ان دونوں نقطہائے نظر میں تاریخ کو شخصیتوں کے عمل اور اثر کے تحت دیکھا گیا ہے۔ اگرچہ تاریخ کے بارے میں اب جو نظریات مقبول عام ہوئے ہیں ان میں تاریخ کو ایک عمل کے طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جس کے پس منظر میں سیاسی و سماجی اور معاشی قوتیں کام کر رہی ہوتی ہیں اور یہی قوتیں تاریخ کے عمل کو متحرک بنائے رکھتی ہیں مثلاً: اکبر نے جس دور میں مذہبی رواداری کی پالیسی کو اختیار کیا اس میں بھگتی تحریک کو بڑا دخل ہے کہ جو ہندوستانی معاشرے سے مذہبی نفرتوں کو ختم کر کے مذہبی تعصبات کی شدت میں کمی کر رہی تھی۔ ان حالات میں اکبر کی ذہنی پختگی و دانش مندی تھی کہ اس نے اس رواداری اور آزاد خیالی کی فضا سے فائدہ اٹھایا اور اسے مغل ریاست کے مفاد میں استعمال کرتے ہوئے ہندوؤں کو ریاستی معاملات میں شریک کیا اور اس طرح ریاست کے استحکام اور توسیع میں ان کی طاقت و قوت اور توانائیوں کو استعمال کیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اگر وہ اس پالیسی کو اختیار نہیں کرتا تو اس صورت میں اس کی سلطنت ٹھٹھر کر رہ جاتی اور اس میں کوئی وسعت نہیں ہوتی۔ کیونکہ تاریخی شواہد اس بات کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ جیسے ہی اس نے مغل ریاست کے ڈھانچہ کو ہندوستانی روایات پر تشکیل دیا' اس کے ساتھ ہی اس میں ایک نئی جان آگئی۔ فوری نتیجہ تو یہ ہوا کہ اب جنگیں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی بنیادوں پر ہونا ختم ہوئیں اور اس کی جگہ مغل سلطنت اور مغل بادشاہ نے لے لی کہ جس کے مفاد کے لئے ہندو اور مسلمان برابر ایک دوسرے کے ساتھ مل کر جنگ کرتے تھے اور اپنے اپنے ہم مذہبوں سے لڑتے تھے۔ سیکولر بنیادوں پر بنائے ہوئے اکبر کے یہ ریاستی ادارے ہی تھے کہ اکبر کے بعد اس کے جانشینوں نے آرام سے حکومت کر لی۔ اس میں دراڑیں اس وقت پڑنی شروع ہوئیں جبکہ اکبر کی سیکولر پالیسی کو تبدیل کرنے کی کوششیں ہوئیں اس کے مقابلہ میں اورنگ زیب نے مذہبی پالیسی

کو اختیار کرتے ہوئے مغل ریاست کے اداروں میں تبدیلیاں شروع کیں یہ صحیح ہے کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں بھی ہندو مغل حکومت میں بڑے بڑے عہدے دار رہے۔ مگر اس نے جب راسخ العقیدگی پر عمل کرنا شروع کیا اس نے ان کے دلوں میں شک و شبہ پیدا کر دیا اور اس اپنائیت کی فضا کو ختم کر دیا۔ یہ بھی درست ہے کہ مغل زوال کا سبب صرف مذہبی پالیسی کی تبدیلی ہی نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے اور دوسرے عوامل بھی تھے۔ کیونکہ اس وقت یعنی اٹھارویں صدی میں صرف مغل حکومت ہی زوال پذیر نہیں ہو رہی تھی بلکہ اس کے ساتھ اس کی دو ہم عصر طاقتیں عثمانی خلافت اور ایران کے صفوی بھی آہستہ آہستہ کمزور ہو کر اپنی توانائی کھو رہے تھے اور اس وقت یورپ میں زبردست سیاسی تبدیلیاں آ رہی تھیں اور وہاں قومی ریاستوں کی تشکیل ہو رہی تھی، نجی طور پر تجارتی کمپنیاں بن رہیں تھیں اور یہ ریاست اور تاجروں کے مفاد میں تھا کہ وہ نئے نئے بحری راستے دریافت کر رہے تھے اور تجارت کی غرض سے دنیا بھر کے ملکوں میں اپنے قدم جما رہے تھے۔ یورپ کی ترقی میں بحری راستوں کی دریافت کا بڑا دخل ہے۔ کیونکہ بحری راستے، بری و زمینی راستوں کے مقابلہ میں نہ صرف محفوظ ہوتے تھے بلکہ ان کا فاصلہ بھی کم ہوتا تھا اور ان کے ذریعہ حفاظت کے ساتھ سامان تجارت ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتا تھا۔ اس کے مقابلہ میں مغل سلطنت کو سمندر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، کیونکہ مغل حکمران طبقہ وسط ایشیا سے آیا تھا اور یہ لوگ سمندر سے ناواقف تھے۔ مغل بادشاہوں میں سے اکبر نے پہلی مرتبہ سمندر جب دیکھا جب اس نے گجرات فتح کیا۔ اس وقت اس کی عمر 30 سال کی تھی اور وہ خاص طور سے سمندر دیکھنے کے لئے کھمبے کی بندرگاہ پر گیا۔ ہندوستانی حکومت کے لئے سمندر اب تک اس لئے بھی خطرناک نہیں تھا کیونکہ اب تک ہندوستان پر جتنے حملے ہوئے تھے وہ زمینی تھے اور اکثر حملہ آور افغانستان کی جانب سے آیا کرتے تھے۔ اس لئے ہندوستانی حکمران انہیں راستوں کی حفاظت اور دفاع کی کوشش کرتے تھے اور انہیں راستوں میں قلعے تعمیر کرا رہے تھے تاکہ حملہ آوروں کو روکا جا سکے۔ سمندر کی اہمیت سے واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے وہ بندرگاہوں کی ترقی اور وہاں پر کسٹم ڈیوٹی وغیرہ پر بھی زیادہ دھیان نہیں دیتے تھے۔

مغل حکمرانوں کے لئے سمندر سے زیادہ زمین کی اہمیت تھی کیونکہ ان کی آمدنی کا تمام دارومدار زراعت اور اس پر لگائے ہوئے ٹیکسوں پر ہوتا تھا اس لئے ان کی یہ کوشش رہی کہ زیادہ سے زیادہ زمین پر قبضہ کیا جائے اور یہ قبضہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ وہ ہندوستان کی دوسری ریاستوں اور علاقوں کے حکمرانوں کے خلاف مسلسل جنگیں کرتے رہیں۔ اسی وجہ سے تمام مغل حکمرانوں نے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور اس طرح نئی نئی زمینوں پر قبضے کر کے اپنی آمدن کو بڑھانے کی کوششیں کیں۔

مغل خاندان اس وقت تک مستحکم رہا جب تک کہ زمین سے آمدنی پابندی سے شاہی خزانے میں جمع ہوتی رہی۔ مگر جب نظام مالگذاری میں بدعنوانیاں شروع ہوئیں تو اس کے نتیجہ میں شاہی خزانہ کی آمدنی گھٹ گئی۔ جب آمدنی کو بڑھانے کی خاطر سختی کی گئی اور اس میں اضافہ کیا گیا تو بہت سے کسان تنگ آکر کاشت کاری چھوڑ کر شہروں میں ملازمت کرنے آگئے یا فوج میں بھرتی ہو گئے۔ اس کا اثر زراعت پر پڑا اور اس کے نتیجہ میں پیداوار کم ہونے لگی۔ حکومت نے اس کمی کی وجہ یہ سمجھا کہ شاید جاگیردار زیادہ لوٹ کھسوٹ کر رہے ہیں اور حکومت کے خزانہ میں ایمانداری سے پیسہ نہیں جمع کرا رہے ہیں۔ اس لئے اس کا یہ حل ڈھونڈا گیا کہ انہیں زیادہ عرصہ تک ایک ہی جاگیر پر نہ رکھا جائے اور جلدی جلدی ان کی جاگیریں بدلی جائیں۔ مگر چونکہ یہ اس کا صحیح حل نہیں تھا' اس لئے اس سے آمدنی میں نہ تو اضافہ ہوا اور نہ ہی زراعت کی حالت بہتر ہوئی۔ جب لگان کی شرح میں اضافہ کیا گیا تو اس کے اثرات کسانوں پر انتہائی سخت پڑے اور ان کی مالی حالت خراب ہوتی چلی گئی اور پھر اسی حساب سے جاگیردار اور دیوان کے عہدیداروں نے بدعنوانیاں شروع کر دیں اور بالاخر یہی وہ چکر تھا کہ جس نے مغل سلطنت کو زوال پذیر کرنا شروع کر دیا اور آمدنی کے گھٹ جانے کے بعد اس کے لئے یہ ناممکن ہو گیا کہ وہ اتنی بڑی سلطنت اور اس کے اداروں کو اور ان کی شان و شوکت کو زیادہ عرصہ برقرار رکھ سکیں۔

امراء کے طبقہ میں جو اسراف آگیا تھا وہ اس وقت تو رنگ نہیں لایا جب تک کہ زمین سے آمدنی جاری رہی مگر جب اس میں کمی ہوئی اور ان کے اخراجات اور

طرزِ زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا تو ان میں مالی بدعنوانیاں بڑھنی شروع ہو گئیں تاکہ وہ اپنے اخراجات پورے کر سکیں اور اپنی عیاشی اور آرام کی زندگی کو برقرار رکھ سکیں۔ اس کی وجہ سے ایک طرف تو وہ اخلاقی طور پر کھوکھلے ہو گئے اور دوسری طرف ریاست کے خزانے میں کمی آگئی اور جب ریاست کے ذرائع کم ہوئے تو اس کی حالت ایسی نہیں رہی کہ وہ رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے کچھ کر سکے۔ یہی وہ صورت حال تھی کہ جب اورنگزیب اور مذہبی علماء نے ان خرابیوں اور ان مسائل کا حل مذہبی اصلاحات میں تلاش کیا اور شریعت کے ذریعہ معاشرے کی اخلاقی و معاشی پستی کو دور کرنا چاہا۔ مگر محض روحانیت کے ذریعہ معاشرے کے مادی مسائل حل نہیں ہوئے کیونکہ ان مسائل کی جڑیں مادی ضروریات میں تھیں اور جب تک معاشی و سماجی حالات کو تبدیل نہیں کیا جاتا۔ ان کا کوئی حل ممکن نہیں تھا۔

ان بڑھتے ہوئے مسائل کی وجہ سے مغل خاندان کو یہ مشکل پیش آئی کہ اب تک ملک میں جو خانہ جنگیاں ہوئیں تھیں۔ انہیں مالی استحکام کی وجہ سے مغل خاندان نے برداشت کر لیا تھا اور ان کا مقابلہ بھی کامیابی سے کر لیا تھا۔ مثلاً" جہانگیر کے عہد میں اس کے لڑکے خسرو نے اس کے خلاف بغاوت کی' اگرچہ اس بغاوت نے اس کے اقتدار کو سخت دھچکہ لگایا' مگر اس وقت تک ریاست کے ادارے اس قدر مضبوط تھے اور امراء کے مفادات مغل ریاست سے اس قدر جڑے ہوئے تھے کہ ان سب نے مل کر اس بغاوت کا خاتمہ کر دیا اسی طرح ایک دوسری بغاوت نے مغل سلطنت کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہ مہابت خاں کی بغاوت تھی کہ جس نے جہانگیر کو اپنا قیدی بنا لیا تھا' مگر اس کے باوجود اس کی یہ ہمت نہیں ہوئی کہ مغل خاندان کا خاتمہ کر دے۔ جہانگیر ہی کے عہد میں شہزادہ خرم نے بھی بغاوت کی اور پھر جہانگیر کے مرنے کے بعد تخت نشینی کے لئے جھگڑے شروع ہوئے۔ شاہجہاں نے بادشاہ بننے کے بعد تخت کے تمام امیدواروں کو قتل کرا دیا اور یہ سمجھا کہ اس کے بعد تمام اختلافات ختم ہو جائیں گے' مگر اورنگزیب اور اس کے بھائیوں کی جنگوں نے مغل ریاست اور خاندان کی جڑیں کھوکھلی کر دیں اور اس کے بعد پرانی تخت نشینی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ یہاں تک کہ مغل بادشاہ امراء کے مختلف دھڑوں کا محتاج ہو کر رہ گیا۔ اس وجہ سے

اورنگزیب کی وفات مغل زوال کے لئے ایک نقطہ آغاز بن گئی۔

مغل سلطنت کے عروج و زوال میں وہی پیٹرن نظر آتا ہے جو کہ دوسری عالمی ریاستوں کے ساتھ ہوا۔ مثلاً" جب اشوک نے ہندوستان میں پہلی عالمی ریاست کی بنیاد ڈالی تو اس نے ریاست میں کسی بغاوت یا خود مختاری کو برداشت نہیں کیا اور جب اسے ریاست کے استحکام کے لئے کسی نظریہ کی ضرورت ہوئی تو اس نے بدھ مذہب کو سرکاری مذہب کے طور پر اختیار کر لیا اور اس کی تبلیغ کی تاکہ ایک ہی مذہب کے ماننے والے اکثریت میں ہو کر ریاست کو اور مستحکم کریں گے اور اندرونی اختلافات اور جھگڑوں کو دور کر کے باہمی یگانگت کو فروغ دیں گے۔ ایران میں بھی جب صفوی خاندان برسراقتدار آیا تو انہوں نے شیعہ مسلک کو سرکاری مذہب بنا کر اکثریت کو شیعہ کر لیا۔ اکبر نے بھی اس بات کی کوشش کی کہ ایک ایسے مذہب کے ذریعہ کہ جس میں ہر بڑے مذہب کی خصوصیات ہوں لوگوں کو متحد کرے تاکہ اس کی رعایا میں جو مذہبی فرق ہے وہ دور ہو سکے۔ اسی قسم کی کوشش انگریزوں نے ہندوستان میں اپنے اقتدار کے بعد کی کہ لوگوں کو عیسائی بنا کر انہیں حکومت سے ہم آہنگ کر دیا جائے، کیونکہ انگریزوں میں ایک طبقہ کا خیال تھا کہ اس طرح سے حکومت کو زیادہ حمایت مل جائے گی۔ لیکن ان کوششوں میں نہ اکبر کامیاب ہوا اور نہ انگریز اور ہندوستان میں مختلف مذاہب اور ان کی بنیاد پر گروہوں و جماعتوں کا تشخص باقی رہا۔ اسی لئے اورنگزیب نے جب مسلمانوں کی تشخص کو ابھارنے کی کوشش کی تو اس کے نتیجہ میں مذہبی اختلافات ابھر کر آئے اور پھر یہ اختلافات مذہبوں کے بعد ان مذاہب کے فرقوں میں پیدا ہونا شروع ہوئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ معاشرہ کا استحکام جو سیکولر روایات میں پوشیدہ تھا وہ کمزور ہو گیا۔

دوسرے یہ کہ جب بھی ایک عالمی ریاست ٹوٹتی ہے تو اس کے نتیجہ میں چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں وجود میں آتی ہیں اور اس طرح سے نظام جاگیرداری مضبوط شکل میں پیدا ہوتا ہے۔ مغل سلطنت کی کمزوری کے ساتھ ہی ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمان حکمرانوں کی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں وجود میں آ گئیں اور انہوں نے ایک طرف تو مغل سلطنت کی سیاسی وحدت توڑ دی تو دوسری طرف مرکزی حکومت کو

جو مالی حصہ ان علاقوں سے ملتا تھا وہ آنا بند ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ان جماعتوں اور قوموں نے بغاوتیں شروع کر دیں کہ جو مرکز سے نالاں تھیں۔ ان میں جاٹ' سکھ' اور مرہٹہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں کہ جنہوں نے نہ صرف بغاوت کی بلکہ ملک میں لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی ابتداء بھی کی۔

خود مختار ریاستوں کے قیام کے اثرات ہندوستان کے حالات پر دونوں طرح کے ہوئے: منفی بھی اور مثبت بھی: مثلاً" خود مختار ریاستوں کے حکمرانوں نے امراء اور با اثر افراد کی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے موروثی جاگیروں کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے نتیجہ میں بنگال میں زمینداروں اور اودھ و حیدر آباد میں تعلقداروں کے طبقے وجود میں آئے۔ موروثی جاگیردار ہونے کی وجہ سے ان خاندانوں کا اثر و رسوخ اپنے اپنے علاقوں میں بڑھ گیا۔ اپنے خاندانوں اور جاگیروں کو محفوظ رکھنے کی غرض سے انہوں نے معاشرے کے سماجی نظام یعنی ذات پات کی تقسیم اور طبقاتی نظام کو برقرار رکھا۔ آگے چل کر جب انگریز ہندوستان کی سیاست میں داخل ہوئے تو انہوں نے ہی اپنی مراعات کے لئے ان سے تعاون کیا۔

چھوٹی ریاستوں کے قائم ہونے کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ ان میں سے ہر ریاست نے اس بات کی کوشش کی کہ وہ اپنی سرحدوں کو بڑھائے۔ اس کی وجہ سے وہ ہمسایہ ریاستوں کے ساتھ مسلسل جنگوں میں مصروف ہو گئے اور ان جنگوں کی وجہ سے ہر نواب اور راجہ کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ بڑی اور تربیت یافتہ فوج رکھے۔ فوج کے یہ اخراجات اس نے زراعتی ٹیکسوں کے ذریعہ وصول کرنا شروع کئے' نتیجہ یہ ہوا کہ جنگوں کے دوران تباہیوں' کھیتوں کی بربادی' قتل و غارتگری اور پھر لگان کی زیادتی نے کسانوں کی کمر توڑ دی۔ جب جنگوں کی بہتات ہوئی تو کاریگر اور دست کار بھی صرف جنگی ساز و سامان اور اسلحہ بنانے میں مصروف ہو گئے اور انہوں نے ایسی چیزوں پر توجہ دینی چھوڑ دی کہ جو لوگوں کی روز مرہ کی زندگی میں کام آئیں اور جن سے ان کی زندگی میں سہولتیں پیدا ہوں۔ اس لئے معاشرہ کے با صلاحیت دستکار و ہنر مندوں نے ایجادات اور نئی دریافتوں کے بجائے صرف اسلحہ بنایا اور ان کی صلاحیتیں ایک جگہ آکر رک گئیں۔

کچھ مورخوں نے اس عہد کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ دیہاتوں میں جب لگان کی وصولیابی کے لئے سختی کی جاتی تھی اور فوج بھیجی جاتی تھی تو کسان' زمیندار اور تعلقدار جنگلوں میں بھاگ جاتے تھے اور زمینوں کو اسی حالت میں چھوڑ جاتے تھے۔ یہ اس وقت واپس آتے جب فوج چلی جاتی تھی۔ دیہاتوں میں ڈاکوؤں کے جتھے تھے کہ جنکی سرپرستی بڑے زمیندار کیا کرتے تھے اور انہیں پناہ دے کر لوٹ کے مال سے اپنا حصہ وصول کرتے تھے۔

اس کے برعکس کچھ مورخوں نے مغل سلطنت کے زوال اور چھوٹی ریاستوں کے قیام کو ہندوستان کے لئے صحت مند قرار دیا ہے۔ ان کے دلائل کے مطابق مغل سلطنت کی مرکزیت نے دور دراز کے علاقوں اور صوبوں کی آمدن کو لے کر ان کی توانائیوں کو نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ دوری اور فاصلہ کو بنیاد بنا کر پر ان کی ترقی اور فلاح و بہبود کو نظرانداز رکھا تھا۔ جب مغل مرکزیت ٹوٹی تو ان صوبوں اور علاقوں کے حکمرانوں نے اپنے اپنے علاقوں میں زرعی اصلاحات کرنی شروع کیں کیونکہ صرف زراعتی آمدنی پر ان کی حکومت کا انحصار تھا۔ اس لئے وہ بنجر زمینیں جو اب تک غیر آباد پڑی تھیں' وہ آباد ہونا شروع ہوئیں۔ آب پاشی کے ذرائع' نہریں اور کنویں بہتر حالت میں ہوئے۔ اس کی ایک مثال حیدر علی کے زمانہ میں میسور کی ریاست ہے جو اس کی کوششوں کی وجہ سے زرخیز اور خوشحال ہو گئی۔

مغل سلطنت کی کمزوری کی وجہ سے تجارت کو فروغ ہوا۔ چھوٹی ریاستوں نے تاجروں کی ہمت افزائی کی کیونکہ تجارت کی وجہ سے ان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا تھا' اس لئے نئی ریاستوں کے شہر تجارت و صنعت و حرفت کے مرکز بن گئے۔ جن میں لکھنؤ' حیدر آباد' سرنگا پٹم' بنارس اور بنگلور قابل ذکر ہیں۔ تاجر طبقہ کا تعلق اکثر ہندوؤں سے تھا اور ان میں بھی جین مت کو ماننے والے زیادہ تھے' یہ ساہوکار اور تاجر اس قدر مالدار ہو گئے کہ یہ راجاؤں' نوابوں' امراء اور مغل بادشاہوں کو قرض دیتے تھے۔ اس طرح سے ہندوستان میں بورژوا طبقہ کی ابتداء ہو رہی تھی۔ تجارت کے فروغ کے ساتھ ہی ہندوستان کے معاشی ڈھانچہ میں بھی تبدیلی آنی شروع ہوئی جس میں منڈیوں سے روابط' سود اور ادھار شامل ہیں۔ منڈی کا نظام اس قدر قابل

اعتبار تھا کہ اس پر ہندوستان کے ہر علاقہ میں نقد پیسہ مل جاتا تھا۔ اس نظام کی وجہ سے روپیہ گردش میں آیا اور پیسہ کی اس گردش نے معاشرے کے ہر طبقے کو باعمل بنا دیا۔ خصوصیت سے تاجروں نے ابھرتی ہوئی خود مختار ریاستوں کی تشکیل میں حصہ لیا' اس کی ایک مثال بنگال میں جگت سیٹھ کی ہے۔

معیشت کے ساتھ ساتھ ان خود مختار ریاستوں میں مذہبی و علمی سرگرمیاں بھی بڑھ گئیں۔ ان حکمرانوں نے ادیبوں' شاعروں' مورخوں' موسیقاروں اور اہل ہنر کی سرپرستی کی تاکہ اس کی وجہ سے ان کی اور ریاست کی شہرت پھیلے۔ اس کی وجہ سے مقامی زبانوں اور مقامی فن کی سرپرستی ہو۔ کیونکہ اب تک مغل دربار صرف فارسی کی سرپرستی کرتا تھا اور اس طرح دربار میں مقامی فنکاروں کی رسائی بھی مشکل تھی۔ مگر جب یہ ریاستیں قائم ہوئیں تو ان کے حکمرانوں نے مقامی زبانوں اور بولیوں کی سرپرستی کی اور مقامی و علاقائی فن کو فروغ دیا۔ خود اردو زبان کو جو فروغ لکھنؤ' حیدر آباد اور دوسری چھوٹی مسلمان ریاستوں میں ہوا' اس کا مقابلہ دلی اور مغل دربار کے شاعروں و ادیبوں سے کیا جا سکتا ہے۔ اگر مغل دربار مستحکم رہتا تو وہ فارسی کی سرپرستی جاری رکھتا۔ اس کی کمزوری ہی کی وجہ سے ایران سے اہل زبان کا آنا بند ہوا اور فارسی کا اثر ٹوٹا اور اس کی جگہ اردو زبان نے لی۔

اس لئے آخری عہد مغلیہ ثقافتی و سماجی اور معاشی طور پر ایک متحرک معاشرہ نظر آتا ہے کہ جس میں توانائی اور طاقت تھی اور جو تبدیلیوں کے ساتھ چلنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ مگر سیاسی طور پر' اس کے حکمران طبقوں نے جس تنگ نظری کا مظاہرہ کیا۔ اس کی وجہ سے انگریزوں کو یہاں قدم جمانے کے موقعے ملے۔ اس لئے کچھ مورخوں کا یہ خیال ہے کہ انگریزوں کی آمد اور ان کے اقتدار نے ہندوستان کی ترقی کو روک دیا۔ جبکہ انگریز مورخ اور دوسرے ہندوستان مورخ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ان کی آمد نے ایک ٹھہرے ہوئے معاشرے کو متحرک کیا اور اسے باعمل بنایا اور شاید صداقت ان دونوں ہی نقطہائے نظر میں ہے۔

دوسرا باب

ایک عہد کی شکست و ریخت

اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد سے مغلیہ سلطنت کا زوال تیز تر ہوا یہ ایک سلطنت ہی کا زوال نہیں بلکہ ایک معاشرے کا بھی زوال تھا ریاست کے جو ادارے سیاسی استحکام کے ساتھ ساتھ مضبوط اور مستحکم تھے' کمزوری کے ساتھ ہی یہ ٹوٹنا شروع ہو گئے۔ ریاست کے یہ ادارے اگر عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کام کریں تو معاشرے کو ترقی کی جانب لے جاتے ہیں۔ لیکن اگر یہ ادارے با اقتدار طبقہ کو مستحکم کرنے اور انکی خاطر عوام کو لوٹنے کھسوٹنے میں مصروف ہو جائیں تو پھر پورا معاشرہ تباہی کی جانب چلا جاتا ہے۔ آخری عہد مغلیہ میں یہی کچھ ہوا۔ ریاست کے ادارے محض با اقتدار طبقہ کے آلہ کار بن کر رہ گئے۔ ان کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں رہ گیا کہ با اقتدار طبقہ کے بڑھتے ہوئے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے عوام سے زیادہ سے زیادہ ٹیکس لئے جائیں۔ یہ صرف ایک طبقہ کے ذاتی مقصد کے لئے استعمال ہونے لگے اور رعیت سے دور ہوتے چلے گئے۔

مغل سلطنت کے زمانہ میں ہندوستان کے عوام بادشاہ کی ذات کو اپنے تحفظ کا ضامن سمجھتے تھے اور اس لئے ان کے دل میں اس کی عزت اور وفاداری کا جذبہ تھا۔ لیکن بادشاہت کی کمزوری نے اس وفاداری کے جذبے پر ایک کاری ضرب لگائی کیونکہ بہت جلد ہندوستان کے عوام کو یہ احساس ہو گیا کہ مغل بادشاہ سیاسی لحاظ سے اس قدر طاقت ور نہیں کہ ان کا تحفظ کر سکیں۔ اس لئے اپنے تحفظ کی خاطر انہوں نے نوابوں' راجاؤں اور خود مختار گورنروں کی طرف توجہ کی جو مغل سلطنت کی کمزوری کے بعد سیاسی لحاظ سے آزاد اور خود مختار ہو گئے تھے۔ اس سے رعیت کی وفاداری جو پہلے ایک مرکز پر جمع تھی ٹوٹ کر مختلف حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

لیکن مقامی حکمرانوں سے یہ وفاداری بھی کسی مضبوط بنیاد پر نہیں تھی کیونکہ یہ

مقامی حکمران خاندان سیاسی ابتری کی وجہ سے تبدیل ہوتے رہتے تھے ایک کے بعد دوسرا خاندان فوجی قوت کے بل بوتے پر یا سازش کی وجہ سے طاقت میں آتا رہتا تھا اس لئے عوام کا یہ فرض تھا کہ ہر اس حکمران خاندان کے ساتھ وفادار رہیں جو برسراقتدار تھا ہندوستان میں ابتدا سے عوام ان سیاسی تبدیلیوں میں خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتے تھے ان کے نزدیک ان سیاسی تبدیلیوں کی زیادہ اہمیت نہیں ہوتی تھی کیونکہ حکمران خاندانوں کی یہ تبدیلی ان کی زندگی میں کوئی خاص انقلاب نہیں لاتی تھی اور ہر نیا حکمران خاندان عوام سے دو باتوں کی توقع رکھتا تھا۔ وفاداری اور ٹیکسوں کی ادائیگی اس لئے ہندوستان کے عوام کی وفاداری کسی ایک خاندان سے منسلک ہو کر نہیں رہ گئی تھی۔ یہ ہر اس خاندان یا ہر اس ادارے کے ساتھ ہوتی تھی جو برسراقتدار ہوتا تھا۔

خانہ جنگیوں باہمی جنگ و جدل اور سیاسی توڑ پھوڑ کے عمل نے رعایا کو مزید پریشان کیا کیونکہ جب فوجیں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتی تھیں تو کھیتوں کو جلانا اور لوٹ مار کرنا ایک عام دستور تھا اس نے رعیت میں عدم تحفظ کا شدید احساس پیدا کیا لیکن اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ گاؤں کے لوگوں نے چاروں طرف سے مایوس ہو کر اپنے دفاع اور تحفظ کا بیڑہ خود اٹھایا اس لئے پورے ملک میں جگہ جگہ گڑھیاں بن گئیں اور کسان مسلح ہو کر اپنے دشمنوں کا مقابلہ خود کرنے لگے۔ اس صورت حال نے جگہ جگہ گاؤں کی جمہوریتیں پیدا کیں۔ جو اپنے تمام مقدمات کا فیصلہ بھی خود کرتی تھیں۔ کیونکہ ریاست کے تمام ادارے پولیس' فوج اور عدالتیں یا تو کمزور ہو گئی تھیں یا ٹوٹ چکی تھی یا ان کا دائرہ کار محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

لہٰذا اس "پر آشوب" زمانہ میں نظام جاگیرداری پر بھی ایک کاری ضرب لگی۔ اب جاگیرداروں کے لئے نا ممکن ہو گیا تھا کہ وہ دربار میں بیٹھ کر اپنے کارندوں سے مالیانہ وصول کرائے۔ اب مالیانہ وصول کرانے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ ایک طاقتور فوج کے ذریعے کسانوں کو مغلوب کیا جائے اور پھر ان سے روپیہ وصول کیا جائے جاگیرداروں کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ایک مستقل فوج رکھیں اور اس کے ذریعہ اپنی جاگیردارانہ مراعات کی حفاظت کریں۔ کسانوں کے اس باغیانہ رجحان نے تقریباً

نظام جاگیرداری کو ختم کر کے رکھ دیا تھا اور جاگیردار طبقہ مالی مشکلات کا شکار ہو کر جاگیر اور وظیفہ کی تلاش میں ہندوستان کی ان ریاستوں کا رخ کرنے لگے جہاں قدرے امن و امان تھا اور جہاں انہیں امید تھی کہ ان کے خاندان کی بنیاد پر انہیں جاگیر یا وظیفہ مل سکے گا۔

یہ ایک خوش آئند صورت حال تھی' ریاست کے وہ ادارے جو عوام کے دشمن تھے اپنی موت آپ مرچکے تھے اور ان کی جگہ جو خلا پیدا ہوا تھا اسے عوام نے خود "امداد باہمی" کے اصول پر ادارے تخلیق کر کے پورا کر لیا تھا یہ آگے چل کر ہندوستان کی تاریخ کو بدل سکتے تھے لیکن بدقسمتی سے دوسری طاقتوں نے انہیں اس بات کا زیادہ موقع نہیں دیا اور یہاں کوئی ایسی تحریک نہیں چلی جو گاؤں کی ان جمہوریتوں کو متحد کر کے اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرتی کیونکہ جہاں سیاسی انتشار نے انہیں آزادی کی فضا فراہم کی وہاں کچھ رجعت پسندانہ قوتیں' قومیتوں کی شکل میں پیدا ہوئیں اور انہوں نے مغلیہ سلطنت کی شکست و ریخت سے اپنی سلطنتوں کی تعمیر کرانی چاہی ان میں مرہٹہ' جاٹ' سکھ اور روہیلہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ طاقتیں اگرچہ بڑی تیزی سے ابھریں' ان میں قوت و تازگی بھی تھی' جوش اور جذبہ بھی تھا مگر ان کے سامنے کوئی بلند و بالا مقاصد نہیں تھے۔ ان کا مقصد سوائے لوٹ مار اور مزید انتشار پھیلانے کے اور کچھ نہیں تھا۔ ان کی لوٹ مار کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ہندوستان کے عوام میں اپنے لئے کوئی جگہ نہیں بنا سکے اور نہ اپنے لئے کوئی جذبہ ہمدردی اور محبت پیدا کر سکے۔

تاریخ میں یہ دستور رہا ہے کہ امراء نے اپنی مراعات' جائیداد اور سیاسی حیثیت کے دفاع اور تحفظ کے لئے جنگ کی صورت میں مختلف نعروں کو استعمال کیا' کہیں مذہب کا نام لے کر عوام کو دشمن سے جنگ کرنے پر اکسایا تو کہیں قومیت کے نام پر' اور کہیں وطن کے نام پر' لیکن اس دور میں عوام اور فوجیوں میں اتنا شعور آگیا تھا کہ وہ ان نعروں سے متاثر نہیں ہوتے تھے اگر انہیں معاوضہ نہیں ملتا تھا تو پھر کسی صورت میں وہ اپنے سردار کے لئے جنگ نہیں کرتے تھے مثلاً" عماد الملک جو مغل حکومت کا وزیر تھا اس کی فوج اس لئے اس کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئی کہ اسے تنخواہ

نہیں ملتی تھی۔ 1756ء میں جب احمد شاہ ابدالی نے حملہ کیا تو اس کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں تھا۔ دہلی کے شہری بھاگ رہے تھے اسے نہ تو فوج کے لئے کوئی آدمی ملا اور نہ توپوں کی حفاظت کے لئے کوئی اس کا ساتھ دینے پر تیار ہوا۔ آخرکار جب اس نے خود کو بے یار و مددگار دیکھا تو تنگ آکر خود کو احمد شاہ ابدالی کے حوالے کر دیا۔

ان فوجی سرگرمیوں کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ گاؤں کے گاؤں اجڑ گئے' کسانوں نے تنگ آکر اپنی کھیتیاں جلا ڈالیں اور جنگلوں میں چلے گئے' اکثریت بے روزگاری سے تنگ آکر ڈاکو بن گئی۔ جرائم کی تعداد میں اضافہ ہوا اور تمام راستے غیر محفوظ ہو گئے۔ ہندوستان میں ٹھگوں کا جو عروج ہوا وہ اسی صورت حال کا نتیجہ تھا' ان کی تحریک کو تازہ سپلائی کسانوں اور کاشتکاروں سے ملتی تھی۔ جن کی زمینیں اجڑ چکی تھیں۔ یہی حال پنڈاریوں کا تھا ان میں بھی اکثریت کسانوں کی تھی اس کے علاوہ بے روزگار فوجی بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے اس نئی صورت حال نے تمام تجارتی راستوں کو غیر محفوظ بنا دیا تھا کوئی تجارتی قافلہ سخت فوجی حفاظت کے بغیر اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ تجارت کی کمی نے ہندوستان کی معاشی زندگی پر گہرے اثر ڈالے۔

کین (KEENE) نے ہندوستان کی حالت پر جو تبصرہ کیا ہے وہ اس عہد کی ایک سچی تصویر ہے:

> "شاہراہیں تقریباً" ناپید ہو گئی تھیں شہر برباد ہو گئے تھے قریبی گاؤں سے کسی قسم کا رابطہ مشکل ہو گیا تھا کیونکہ راستہ میں چیتوں اور جنگلی ہاتھیوں کی کثرت تھی۔ کسان جو نہیں جانتے تھے کہ ان کی فصل کون کاٹے گا اس لئے وہ کاشتکاری پر محنت نہیں کرتے تھے اور صرف اس قدر کاشت کرتے تھے کہ جو ان کے خاندان کی ضرورت کو پورا کرے۔ پیسہ زمین میں دفن کیا جانے لگا اور کسی تازہ خزانہ کی کوئی امید نہیں رہی تھی اور جب کبھی بھی موسم میں بارش نہیں ہوتی تھی تو پیداوار ختم ہو جاتی تھی اور ہزارہا لوگ بھوک سے تباہ ہو جاتے تھے" (1)

خزانے میں روپے کی کمی بادشاہ اور امراء کو اس بات پر مجبور کرتی تھی کہ وہ دولت حاصل کرنے کے ہر طریقہ کو استعمال کریں اس سلسلہ میں رعیت کے ہر فرد کو

پریشان کیا جاتا تھا' تاجر دوکاندار' مہاجن اور سیٹھ خاص طور سے اس کا شکار ہوتے تھے کیونکہ کبھی مرہٹوں کو خراج دینا ہے کبھی فوج کو تنخواہ ادا کرنی ہے' کبھی بادشاہ اور امراء کو اپنی ضروریات پوری کرنی ہیں خود امراء کی دولت محفوظ نہیں تھی بادشاہ وقت ان کو مجبور کر کے ان سے پیسہ وصول کرتا تھا یا کسی خانہ جنگی اور سیاسی انقلاب کی صورت میں ان کی دولت ان سے چھین لی جاتی تھی۔ اس لئے یہ رجحان بڑھا کہ لوگوں نے حفاظت کے لے اپنی دولت کو دفن کرنا شروع کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں دولت جسے گردش میں رہنا چاہئے تھا وہ زیر زمین دفن ہو کر بے کار ہو گئی۔ جس نے ملک کی معیشت کو متاثر کیا۔

(1)

ہندوستان کی سیاسی صورت حال نے غیر ملکی حملہ آوروں کو بھی ہندوستان کی طرف متوجہ کیا ان حملہ آوروں میں دو حملہ آور نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے ہندوستان میں لوٹ مار کا ایک نیا ریکارڈ قائم کیا اور ہندوستان کی جمع شدہ دولت کو اس ملک سے باہر لے گئے۔ قتل عام خونریزی اور اذیتوں کی جو روایات انہوں نے چھوڑیں اس نے عوام کے ذہنوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ نادر شاہ نے دہلی پر قبضہ کر کے جو دولت لوٹی اس کی تفصیل تاریخوں میں محفوظ ہے۔ مثلاً"

"خاص بادشاہی خزانے سے : ساڑھے تین کروڑ روپیہ
جواہر خانہ خاص سے : پندرہ کروڑ روپیہ
تخت طاؤس و تخت رواں : تین کروڑ روپیہ
مختلف شاہی کارخانہ جات سے : پندرہ کروڑ روپیہ"

اس کے علاوہ شاہی اصطبل سے ہاتھی و گھوڑے علیحدہ لے گئے۔ مختلف امراء سے زبردستی کروڑوں روپیہ وصول کیا گیا یہ پیسہ وصول کرنے کے لئے انہیں سخت سزائیں دی گئیں اور بہت سوں سے ان کی استطاعت سے زیادہ وصول کیا گیا اس پر کئی امراء نے خودکشی کر لی' علی وردی خاں' کامیاب خاں اور سعداللہ خاں دیوان تن

کے بھائیوں نے زہر کھا لیا شیرافگن نے خنجر سے خودکشی کر لی خالق یار خاں نے پیش قبض مار کر جان دے دی۔ (2)

احمد شاہ نے نادر شاہ کی اس لوٹ مار کو جاری رکھا اس نے 1757ء میں جو لوٹ مار کی اس کی دردناک تفصیل معاصر تاریخوں میں موجود ہے اس نے شہر کے ہر مکان پر چاہے غریب کا ہو یا امیر کا جرمانہ عائد کیا۔ اس مقصد کے لئے پورا شہر مختلف حصوں میں تقسیم ہوا تاکہ باقاعدہ وصولی ہو "تاریخ عالمگیری" کا مصنف لکھتا ہے کہ:

"یحییٰ خان نے ایک کلاہ پوش کلرک کے ساتھ اپنا ٹیکس جمع کرانے کا آفس کوتوالی کے قریب کڑہ روشن الدولہ میں قائم کیا۔ امیر لوگ خطوط یا پیغام کے ذریعے بلائے گئے ہر گلی پر ایک کلاہ پوش اپنی فوج کے ساتھ کھڑا تھا دوکانوں کی گنتی کے بعد انہوں نے مالکین سے ان کی استطاعت سے زیادہ مانگا' مارپیٹ اور لوٹ مار عام تھی عذاب کے ڈر سے لوگوں نے اپنے جواہرات برتن اور کپڑے بیچ ڈالے' لیکن ان کا کوئی خریدار نہیں تھا...... .. بہت سے لوگوں نے غربت کی وجہ سے زہر کھا لیا۔ بہت سے لوگ عذاب کی سختی کی وجہ سے مرے' جن لوگوں نے رقم دی تھی ان کے مکانات بھی کھودے اور لوٹے گئے۔ شہر کا کوئی آدمی اس مصیبت سے نہیں بچا" (3)

میر تقی میر اس تباہی کے عینی شاہد تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"شاہی (درانی) فوج اور روہیلہ ٹوٹ پڑے اور قتل و غارت میں لگ گئے' (شہر کے) دروازوں کو توڑ ڈالا اور لوگوں کو قید کر لیا۔ بہتوں کو جلا دیا اور سر کاٹ لئے........... کھانے پینے کی چیزوں میں سے کچھ نہ چھوڑا' چھتیں توڑ دیں' دیواریں ڈھا دیں....... شرفاء کی مٹی پلید ہو رہی تھی' شہر کے عابد خستہ حال ہو گئے بڑے بڑے امیر ایک گھونٹ پانی کے لئے بھی محتاج بن گئے.......... چونکہ ان جفاکاروں کی بن آئی تھی۔ لوٹتے کھسوٹتے ایذائیں دیتے ستم ڈھاتے عورتوں کی بے حرمتی کرتے........ ہر گھر ہر گلی کوچے میں' ہر بازار میں یہ غارت گر تھے اور ان کی دارو گیر ہر

طرف خونریزی، ہر سمت ظلم و ستم، ایذاء بھی دیتے اور طمانچے مارتے.........گھر جل گئے محلے ویران ہو گئے۔ سینکڑوں لوگ ان سختیوں کی تاب نہ لا کر چل بسے.......پرانے شہر کا علاقہ جسے (رونق اور شادابی کے باعث) "جہاں تازہ" کہتے تھے، منقش دیوار کی مانند تھا جہاں تک نظر جاتی تھی، مقتولوں کے سر، ہاتھ، پاؤں اور سینے ہی نظر آتے تھے ان مظلوموں کے گھر ایسے جل رہے تھے کہ آتش کدہ کی یاد تازہ ہو رہی تھی جہاں تک آنکھ دیکھ سکتی تھی خاک سیاہ کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ جو مظلوم مر گیا (وہ گویا) آرام پا گیا (اور) جو ان کی زد میں آ گیا بچ کر نہ جا سکا" (4)

(2)

اندرونی اور بیرونی لوٹ مار نے تمام ہندوستان کو عبرت کی جگہ بنا دیا تھا جب کسی سیاح کا گزر دہلی، آگرہ اور فتح پور کی جانب ہوتا تو اسے ٹوٹی ہوئی عمارتوں، اجڑے مکانات اور ویرانوں کا سلسلہ دور تک نظر آتا۔ اہل ہندوستان کی آنکھیں تباہی و بربادی دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں۔ ان حالات میں جو ذہن بنا اس کے اچھے اور برے دونوں پہلو تھے اس انتشار اور باہمی مصیبت کے زمانہ میں عوام اور خواص دونوں ہی سے مذہبی تشدد ختم ہو گیا، ہندوستان میں مسلمان اتحاد شائد کسی زمانہ میں اس قدر عروج پر پہنچا ہو جس قدر کہ اس زوال کے زمانہ میں، کیونکہ ریاست کے تمام اداروں کے کمزور ہونے کے بعد، مذہب کے نام پر لوگوں کو تشدد پر آمادہ کرنے والا کوئی نہیں رہا تھا سیاسی عدم تحفظ اور معاشی مسائل نے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا تھا اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے جب کوئی مادی حل نظر نہیں آتا تھا تو پھر ہندو اور مسلمان دونوں مزاروں کی طرف رخ کرتے تھے جب دنیا کی پریشانیوں اور ہنگاموں سے نجات ملتی تو میلوں ٹھیلوں، تہواروں اور تقریبوں میں شریک ہوتے۔

لیکن ساتھ ہی اس پر آشوب زمانہ نے جن اقدار کو پیدا کیا، انہوں نے زوال کے عمل کو اور تیز کر دیا، معاشی اور سیاسی عدم تحفظ نے جس جذبہ کو پیدا کیا وہ ہر

ممکن طریقہ سے دولت کا حصول تھا لہٰذا اخلاقی و غیر اخلاقی ذریعہ سے دولت جمع کرنے کا رجحان بڑھا حکومت کے عہدیدار رشوت لے کر دولت جمع کرتے تھے فوج لوٹ مار کر کے ٹھگ اور ڈاکو لوگوں سے زبردستی چھین کر اور پنڈاری لوگوں کی دولت زبردستی سمیٹ کر' اس طرح معاشرے میں باعزت مقام حاصل کیا جاتا تھا' اسطرح دولت پیدا کرنے پر معاشرے میں کوئی بحران پیدا نہیں ہوا اور نہ اسے حلال و حرام کی میزان پر تولا گیا بلکہ اسے خاموشی سے نظرانداز کر دیا گیا۔

تباہی و بربادی اور عروج و زوال کے مناظر نے معاشرے کے ذہن کو افسردہ اور مایوس کر دیا۔ جس نے ایک پژمردہ معاشرے کو جنم دیا' ظالم اور اس کے مظالم کی مقابلہ کرنے کی عوام میں طاقت نہیں تھی' لہٰذا یہ رجحان بڑھا کہ تقدیر ظالم کو اس کے مظالم کی سزا دے گی یہ ایک بے حس معاشرے کا رد عمل تھا جس میں جدوجہد کے تمام جذبات مفقود ہو چکے تھے' جو تباہی و بربادی کے ہاتھوں شکست کھا چکا تھا اور مظالم کو اس امید پر برداشت کرتا تھا کہ قدرت اس کا انتقام لے گی' اس رجحان نے خود اعتمادی کے جذبات کو بالکل ختم کر دیا' اپنے حقوق کے لئے لڑنا' یا ان کے لئے جدوجہد کرنا دور سے دور تر ہوتا چلا گیا اور انسان خاموشی سے اپنے دل کو ان الفاظ سے تسلی دے لیتا تھا کہ یہ دنیا آنی جانی شے ہے کسی شے کو دوام نہیں' ہر چیز فانی ہے' ہر شخص کو اس کے عمل کی سزا ملے گی وغیرہ' میر تقی میر انہی جذبات کی نمائندگی کرتے ہیں:

نام آج کوئی یاں لیتا نہیں اپنوں کا
جن لوگوں کے کل ملک یہ سب زیر نگیں تھے
منعم نے بنا ظلم کی رکھ گھر تو بنایا
پر آپ کوئی رات ہی مہمان رہے گا
جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا
کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

(3)

ایک ایسا معاشرہ جہاں دھوکہ اور فریب عام ہو' جہاں مقصد کے حصول کے لئے سازشیں کی جاتی ہوں اور جہاں کامیابی کے لئے ہر ذریعہ استعمال کیا جاتا ہو ایسے معاشرے میں باہمی اعتماد کی فضا ناپید ہو جاتی ہے' انسان کسی سے اچھے عمل کی توقع نہیں کرتا' ہر حسن سلوک کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ محمد صادق اختر 1786ء میں پیدا ہوئے انہوں نے اپنی کتاب "صبح صادق" (1852ء) میں معاشرے کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

"اس زمانہ کے دوست و رفیق (کہ سب کے سب ریاکار بے توفیق وقت پڑنے پر دھوکہ دینے والے' بہانہ جو اور دروغ گو بلکہ مصیبتوں اور بلاؤں کا سبب ہیں) سب دشمن جاں اور معاملات کو بگاڑنے والے ہیں سلاطین ہیں تو وہ تمام عدل و انصاف کے راستے سے بھٹکے ہوئے اور نخوت و غرور کی شراب سے بہکے ہوئے .... عمال (گورنر) سب کے سب بد سرشت و برشت خو.......... پیشکار اور دفتر کے دیوان ہیں تو وہ سراپا شر' شب و روز رشوت ستانی کی فکر میں مصروف اور دروغ گوئی و حق پوشی میں مسرور رہتے ہیں........ ارباب منصب تمام کے تمام بے توفیق' بے انصاف اور ستم شمار........ واقعہ نویساں سراپا تلبیس' کہ بادشاہوں اور وزیروں کے حضور سے حقائق و کیفیات معلوم کرنے والے جاسوس مقرر ہیں' حق کو باطل کا لباس پہناتے اور جھوٹ کو سچ کی شکل میں جلوہ گر کرتے ہیں...... .... قصہ مختصر موالی (حاکم) سب کے سب ناقدردان ہیں اور اہالی (رعایا) تمام کے تمام بد اندیش۔ مقاصد فوت اور نامرادیاں درپیش ہیں"(5)

(4)

ہندوستان لاتعداد چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور حکومتوں کا ملک تھا' جس کی جغرافیائی حدود بھی سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی تھیں اور جس کے

خاندان بھی خانہ جنگیوں اور جنگ کی صورت میں تبدیل ہوتے رہتے تھے' اس لئے اہل ہندوستان کے ذہن میں کسی وطن یا قوم کا تصور مفقود تھا۔ یہی حال مذہب کا تھا' ہر مذہب کے پیروکار پورے ہندوستان میں بکھرے ہوئے تھے۔ اس لئے کسی بھی ایک مذہب کے نام پر ان تمام لوگوں کو ایک جگہ جمع کرنا نا ممکن تھا۔ اس لئے کوئی مذہبی تحریک اس بنیاد پر چل ہی نہیں سکتی کہ ان بکھرے ہوئے لوگوں کو متحد کیا جائے اور پھر متحد ہو کر دشمن کے خلاف لڑا جائے اس وقت تک صرف مغل بادشاہ وفاداری اور اتحاد کی علامت تھا لیکن اس کی کمزوری کے ساتھ ہی اتحاد کی یہ وجہ بھی ختم ہو گئی 1857ء کے ہنگامہ میں اہل ہندوستان نے آخری مشترکہ کوشش کی کہ انگریزوں کو اس ملک سے نکال دیا جائے' لیکن مغل بادشاہت کا ادارہ اس قدر فرسودہ اور کمزور ہو چکا تھا کہ وہ اس جدوجہد کا بوجھ برداشت نہ کر سکا۔ اس کے خاتمہ کے ساتھ ہی اتحاد کے تمام رشتے بھی ختم ہو گئے اور انگریز اس ملک پر با آسانی قابض ہو گئے۔

(5)

مغل معاشرہ بنیادی طور پر ایک طبقاتی معاشرہ تھا' بادشاہ اس کے خاندان کے اراکین' امراء اور منصب دار با اقتدار طبقہ تھا دوسرا طبقہ رعایا کا تھا۔ با اقتدار طبقہ نے ریاست کے اداروں کو اپنے اقتدار کے استحکام اور رعیت کو لوٹنے کھسوٹنے کے لئے استعمال کیا تھا اور زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر کے اپنے معیار زندگی کو بلند کیا تھا' اس کی وجہ سے ان کے اخراجات بڑھے اور ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے عوام سے زیادہ سے زیادہ ٹیکس وصول کئے گئے' جب ان ٹیکسوں کی بھتات ہوئی اور ان کی وصولی کے لئے جبر' سختی اور ظلم ہوا تو کسانوں نے کھیتی باڑی چھوڑ دی۔ تجارت اس سے متاثر ہوئی صنعت و حرفت اس کی وجہ سے تباہ ہوئی۔ بے روزگاری پھیلی جس نے جرائم میں اضافہ کیا۔ معاشرے کی اخلاقی قدریں ایک ایک کر کے ختم ہوئیں اور پورا معاشرہ مع با اقتدار طبقہ کے انحطاط پذیر ہونے لگا با اقتدار نے تاریخ سے کبھی سبق نہیں سیکھا کہ اس کے استحصالی ذرائع بالاخر تمام معاشرے کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اس لئے جب مغل سلطنت کی جگہ انگریزی حکومت آئی اور "انگلش امن" کا دور دورہ

ہوا تو عوام نے اطمینان اور چین کی سانس لی' عوام اپنے ہم قوم استحصالیوں کے مقابلہ میں اگر غیر قوم جو عدل سے حکومت کرے اور برسراقتدار آجائے تو اسے تسلیم کر لیتی ہے۔

حوالے:

-1

Keene, H.G. :Hindustan Under Free Lances, 1770-1820. Shannon/Ireland. 1972, P.42.

2- نجم الغنی خاں: تاریخ ریاست حیدر آباد دکن۔ لکھنؤ 1930ء ص - 146-147

3- بحوالہ:

Ganda Singh. :Ahmad Shah Durrani, Bombay 1959, P.P. 168-171.

4- میر تقی میر کی آپ بیتی (اردو ترجمہ) دہلی 1957ء ص 123-124

5- دربار ملی (مرتبہ: ایس ایم اکرم - وحید قریشی) لاہور 1966ء ص 550-554

تیسرا باب

مغل شاہی خاندان

ہندوستان میں مغلیہ خاندان کا دور حکومت دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ابتدائی اور آخری۔ ابتدائی دور جس میں انہوں نے ہندوستان میں اپنی سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اس کو سیاسی لحاظ سے مضبوط اور مستحکم کیا۔ یہ دور بابر سے شروع ہو کر اورنگ زیب عالمگیر پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس ابتدائی دور میں مغلیہ خاندان کے اراکین کی تعداد زیادہ نہیں تھی اس لئے ملک کے وسائل پر یہ زیادہ بوجھ نہیں تھے۔ اس دور میں تخت نشینی کے مسئلہ پر بھی زیادہ جھگڑے نہیں ہوئے۔ یہ دور مغلیہ خاندان کا اجتماعی جدوجہد کا دور تھا۔ جس میں وہ اپنے خاندان کی اخلاقی اور قانونی حیثیت کو مستحکم کر رہے تھے۔ کیونکہ انہیں خطرہ تھا کہ نئے خاندان تخت کے دعویدار کی حیثیت سے پیدا ہو سکتے ہیں اور انکی ذرا سی غفلت انہیں تخت و تاج سے محروم کر سکتی ہے۔

اسی مقصد کے لئے شاہی خاندان کے اراکین کو معاشرے کے دوسرے لوگوں سے برتر اور افضل رکھنے کے لئے روایات و رسومات قائم کی گئیں۔ مثلاً" سلطنت کے اعلٰی عہدے صرف ان کے لئے وقف تھے۔ نوبت بجوانا' پالکی میں سوار ہونا یا مخصوص خطابات اختیار کرنا انہی کا حق تھا ان روایات کا مقصد یہ تھا کہ تیموری خاندان کی برتری عوام کے ذہنوں میں بیٹھ جائے اور کسی میں ان سے ہمسری کا جذبہ پیدا نہ ہو۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالمگیر تک مغلیہ خاندان ہندوستان میں اپنی جڑیں مستحکم کر چکا تھا۔ اس لئے اگرچہ بعد میں ان کی سیاسی حیثیت کمزور سے کمزور ہوتی چلی گئی' لیکن اس خاندان کی قانونی حیثیت اس قدر مضبوط ہو چکی تھی کہ کوئی دوسرا خاندان اس کی جگہ لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

(1)

مغل خاندان کے تقدس کے استحکام کے بعد اگرچہ اسے کوئی خارجی خطرہ نہیں تھا۔ لیکن اس کے خلاف داخلی خطرات کی تعداد برابر بڑھتی رہی جانشینی کے قانون کی غیر موجودگی میں کوئی بھی مغل شہزادہ تخت کا جانشین ہو سکتا تھا۔ اس لئے شاہجہاں سے یہ روایت چلی کہ تخت کے تمام دعویداروں کو یا تو قتل کرا دیا جائے یا انہیں اندھا کر کے معذور کر دیا جائے اور یا انہیں دور دراز کے قلعوں میں قید کر دیا جائے تاکہ وہ بادشاہ کے لئے کوئی خطرہ نہیں رہیں مثلاً" عالمگیر کے بڑے لڑکے شہزادہ اکبر نے جب بغاوت کی اور ناکامی کے بعد بھاگ کر ایران چلا گیا تو عالمگیر نے اس کے لڑکے نیکو سیر اور اس کی لڑکیوں کو اکبر آباد کے قلعہ میں قید کر دیا۔ جہاں شہزادے نے زندگی کے چالیس سال گزارے' 1719ء میں اسے سید برادرانکے خلاف ایک بغاوت میں قید سے نکال کر تخت پر بٹھایا گیا' لیکن اس کی یہ تخت نشینی بھی چند روزہ ثابت ہوئی اور وہ پھر دوبارہ سے قیدی بنا دیا گیا۔ جہاں دار شاہ' خانہ جنگی کے بعد' جس میں اس کے تین بھائی قتل ہوئے بادشاہ بنا تو اس نے اپنے بھائیوں کی اولاد کو شاہ جہاں آباد کے قلعہ میں قید کر دیا۔ فرخ سیر نے بادشاہ بننے کے فوراً" بعد جہاندار شاہ اور اس کے لڑکے شہزادہ اعزالدین کو قتل کرایا۔ اپنے چھوٹے بھائی محمد ہمایوں بخت اور عالی تبار ولد اعظم شاہ کو اندھا کرایا۔(1)

فرخ سیر کے بعد سید برادران کو کوئی شہزادہ نہیں ملتا تھا کہ جسے بادشاہ بنایا جائے' جو قتل یا اندھے ہونے سے بچ گئے تھے وہ قید میں عورتوں اور خواجہ سراؤں کے ساتھ پرورش پا رہے تھے آخر کار بڑی مشکلوں سے شہزادہ رفیع الدراجات کو قید خانہ سے نکال کر تخت پر بٹھایا۔ اسے اس قدر جلد بازی میں تخت نشینی کرایا گیا کہ اس کے کپڑے تک بدلوانے کی فرصت نہیں ملی اور اس کے میلے کپڑوں پر ہی موتیوں کی مالا اس کی گردن میں ڈال دی گئی۔ یہ شہزادہ قیداور گھٹے ہوئے ماحول میں دق کا مریض ہو چکا تھا اس لئے بادشاہ بننے کے چند مہینے بعد ہی مر گیا' اس کے بعد اس کا بھائی رفیع الدولہ بادشاہ ہوا' مگر یہ بھی چند مہینے بیمار رہ کر راہی ملک عدم ہوا' اس کے بعد محمد شاہ کو 8 سال قید کے بعد قلعہ سلیم گڑھ سے نکال کر تخت نشین کرایا۔

محمد شاہ کے دور حکومت میں جب حسین علی خاں کا قتل ہوا تو اس کے بھائی سید عبداللہ نے چاہا کہ کسی مغل شہزادے کو بادشاہ بنا کر اس کے نام پر جنگ کی جائے تو اس وقت کوئی شہزادہ بادشاہ بننے کو تیار نہیں تھا۔ جہاندار شاہ کے بیٹوں نے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے' نیکو سیر جو ایک مرتبہ اس مرحلہ سے گزر چکا تھا اس نے بھی انکار کر دیا' آخر کار بڑی مشکلوں سے رفیع الشان کے بیٹے ابراہیم کو خوشامد کر کے تیار کیا گیا۔(2)

اس قید و بند کی زندگی کے مغل شہزادوں پر کیا اثرات ہوئے؟ اس کا اندازہ ان کے کردار سے لگایا جا سکتا ہے۔ قید میں ان کا واسطہ یا تو عورتوں سے ہوا کرتا تھا یا خواجہ سراؤں سے' اس کے علاوہ انہیں دوسرے افراد سے ملنے جلنے یا بات چیت کرنے کی اجازت نہیں ہوئی تھی' اس لئے انہیں زندگی کا انتہائی محدود تجربہ ہوا کرتا تھا۔ عورتوں میں ساتھ رہنے سے ان میں نسوانی عادات و خصوصیات پیدا ہو جاتی تھیں۔ جہاں دار شاہ کے بارے میں مشہور مشہور ہے کہ ایک بار اس نے برہنہ تلوار دیکھی تو ڈر کر بھاگ گیا۔ آرام و آسائش اور جنسی خواہشات کو پورا کرنے کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی مقصد نہیں رہ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر بیمار رہا کرتے تھے۔ اس قید کی زندگی میں نہ تو ان کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی اور نہ ہی حکومت کا کوئی تجربہ انہیں حاصل ہوتا تھا۔ جو نسل قید و بند میں پلی بڑھی وہ کسی لحاظ سے بھی اس قابل نہیں تھی کہ بدلتے ہوئے حالات کا مقابلہ کر سکے۔

(2)

عالمگیر کے زمانہ سے مغل خاندان میں جانشینی کے لئے خانہ جنگی کی ابتداء ہوئی یہ خانہ جنگیاں بہادر شاہ اول' جہاندار شاہ اور فرخ سیر کے زمانہ میں ہوئیں۔ اس کے بعد تخت نشینی کے لئے خانہ جنگیوں کا خاتمہ ہو گیا اور بادشاہ بنانے کا اختیار امراء کے ہاتھ میں آگیا ان خانہ جنگیوں کے نتیجہ میں ایک نئی صورت حال پیدا ہوئی۔ ہر شہزادے کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ با رسوخ امراء کی حمایت حاصل کر کے تخت و تاج حاصل کرے' اس لئے جب کوئی شہزادہ امراء کی مدد سے بادشاہ بنتا تو یہ امراء اپنے

لئے زیادہ سے زیادہ مراعات کا مطالبہ کرتے۔ اس کی مثال سید برادران کے عروج سے ملتی ہے جنہوں نے فرخ سیر کی مدد کی اور کامیابی کی صورت میں انتہائی طاقت ور بن کر ابھرے۔

فرخ سیر کے بعد تین بادشاہ یکے بعد دیگرے سید برادران کی مرضی سے ہوئے اس کے بعد جب روہیلہ' مرہٹے اور انگریز برسراقتدار آئے تو بادشاہ ان کی مرضی اور حمایت سے منتخب ہوا کرتے تھے۔ اس انتخاب میں محل کی سازشوں کو بھی دخل ہوا کرتا تھا اور بیگمات اپنے لڑکوں کی تخت نشینی کے لئے با اقتدار جماعت کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش میں رہا کرتی تھیں محمد شاہ کی دو بیواؤں نے غلام قادر روہیلہ کو پیش کش کی کہ اگر ان کے پوتے کو بادشاہ بنایا گیا تو وہ اس کے عوض میں اسے دس لاکھ روپیہ دیں گی۔(2) اکبر شاہ ثانی اپنی ملکہ کے زیر اثر مرزا جہانگیر کو ولی عہد بنانا چاہتے تھے جبکہ ابوالمظفر' بڑے لڑکے ہونے کی وجہ سے تخت کے دعویدار تھے۔ بہادر شاہ ظفر کے عہد میں ملکہ زینت محل اپنے لڑکے شہزادہ جواں بخت کو ولی عہد کرانے کی فکر میں تھیں۔ دو شہزادے جو تخت کے دعویدار تھے ان کی پراسرار اموات ہو چکی تھیں 1857ء کے ہنگامے میں زینت محل اس امید پر انگریزوں کی طرفدار تھیں کہ شائد انگریز جواں بخت کو بادشاہ بنا دیں۔

تخت نشینی کے کئی امیدوار ہونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر امیدوار با اقتدار جماعت کو زیادہ سے زیادہ مراعات دینے کو تیار ہوتا تھا۔ اس طرح وہ خود اپنے ہاتھوں بادشاہ کی عظمت آہستہ آہستہ گھٹاتے چلے گئے۔ بہادر شاہ ظفر کے دور میں اس کے جانشین اس بات پر بھی تیار تھے کہ وہ بادشاہ کا خطاب چھوڑ دیں گے اور صرف شہزادے کہلائیں گے۔

(3)

تخت نشینی کے ان جھگڑوں نے مغلیہ سلطنت کو کمزور سے کمزور تر کر دیا ان خانہ جنگیوں میں امراء مختلف جماعتوں میں تقسیم ہو جاتے تھے اور تخت کے دعویداروں کی حمایت کرتے تھے۔ نیا بادشاہ تخت نشینی کے بعد اپنے مخالفین کو قتل کراتا اور ان کی

جائیداد ضبط کر کے انہیں مختلف طریقوں سے ذلیل و خوار کرتا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغلیہ سلطنت کے ستون ایک ایک کر کے گرنے لگے۔ امراء کی جماعتیں عہدوں جاگیروں اور مال و دولت کے چکر میں ایسی پڑیں کہ نہ تو انہیں مغل خاندان کی وفاداری کا خیال رہا اور نہ ملک و قوم کا۔ مثلاً" سعادت الملک نے اس وجہ سے کہ انہیں امیرالامراء کا عہد نہیں ملا نادر شاہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ دہلی پر قبضہ کر کے وہاں لوٹ مار کرے' نظام الملک آصف جاہ نے خود کو دکن میں مستحکم کرنے کی خاطر مرہٹوں کو اکسایا کہ وہ شمالی ہندوستان میں لوٹ مار کریں۔ ان حالات میں بادشاہ کا کوئی وقار نہیں رہا اور وہ بار بار امراء کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوا' سید برادران نے جب فرخ سید کو تخت سے علیحدہ کیا تو سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے حرم سے گرفتار کر لائیں۔ اسے ان حالات میں گرفتار کیا گیا کہ اس کی ماں اور دوسری شہزادیاں اس کے گرد کھڑی رحم کی درخواست کر رہی تھیں لیکن اسے گھسیٹ کر حرم سے باہر لایا گیا اور ایک تنگ و تاریک کمرے میں قید کر دیا گیا اور یہیں بالاخر اسے قتل کرا دیا گیا۔ (4)غلام قادر روہیلہ نے مغلیہ خاندان کی عزت و عظمت پر ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ جس نے اس خاندان کو ذلت کے گہرے غار میں گرا دیا اس نے شاہ عالم کو تخت سے اتار کر اس کی آنکھیں چھری سے نکلوائیں۔ شہزادہ اکبر' جو بعد میں بادشاہ ہوا۔ اسے اپنے سامنے رقص پر مجبور کیا حرم کی عورتوں اور شہزادیوں کو ذلیل و خوار کیا۔ غلام قادر نے بیدار بخت کو تخت پر بٹھایا مگر وہ اس لئے معزول ہوا کہ ایک دن وہ بازار میں پتنگ اڑانے چلا گیا تھا۔ عماد الملک نے عالمگیر ثانی کو ایک پیر سے ملانے کے بہا. لے جا کر قتل کرا دیا۔ ان واقعات نے بادشاہ کے احترام اور تقدس کو ختم کر کے ر. یا' وہ امراء کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہ گیا۔(5)

جب شمالی ہندوستان میں مراہٹوں کا عروج ہوا تو مغل بادشاہ شاہ عالم ان کا محتاج .کر رہ گیا۔ مراہٹہ راہنما مادھو سندھیا نے بادشاہ کا نگران نظام الدین نامی ایک شخص لو بنا دیا۔ اس نے بادشاہ کے اخراجات کو انتہائی کم کر دیا اس کا دستور تھا کہ وہ بادشاہ لو روزانہ دو سیر چاول اور آٹھ سیر گوشت دیتا تھا تاکہ وہ اپنی مرضی سے کھانا پکوائے۔ مصالحہ کی ذمہ داری بادشاہ پر ہوتی تھی۔ اس کھانے کی مقدار سے صرف 5 آدمی

بمشکل کھا سکتے تھے۔ بادشاہ کے ملازم بھی اس راشن میں سے اپنے لئے بچا لیتے تھے۔ اسی طرح ملکہ' شہزادوں اور شہزادیوں کو بھی روزانہ کھانے کا راشن دیا جاتا تھا۔ مشروب میں انہیں سوائے پانی کے اور کچھ میسر نہیں ہوتا تھا۔ بادشاہ کے دسترخوان پر جو روزانہ کھانا کھاتے تھے ان میں اس کا معالج خاص' ولی عہد اور اس کی چھوٹی لڑکی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اس کی دو سو بیویوں میں سے کوئی ایک نمبر کے حساب سے' اس طرح ہر ایک کا نمبر چھ مہینے بعد آتا تھا۔

بادشاہ کے ملازموں کو نظام الدین کی جانب سے کوئی تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ چار' پانچ مہینے شور کرنے کے بعد تین' یا چار آنے مل جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حیدر آباد کے نظام نے بادشاہ کو چھ سو اشرفیاں بھیجیں جو نظام الدین کے ہاتھوں پڑ گئیں اور بادشاہ کو ان میں سے کچھ نہیں ملا۔

جب ڈی بوئی مراہٹوں کی جانب سے شمالی ہندوستان کا وائسرائے ہوا تو اس نے مراہٹہ حکومت کو یہ مشورہ دیا کہ بادشاہ کا الاؤنس 5000 روپیہ کر دیا جائے اور بیگمات و شہزادیوں کو جاگیریں دی جائیں۔ اکبر شاہ' ولی عہد کو کوٹہ قاسم جاگیر میں دیا جائے جس سے 30,000 سالانہ کی آمدنی ہوتی تھی۔ بادشاہ اور اس کے خاندان کو جو جاگیر دی گئی ہے اگرچہ اس سے 7 لاکھ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے مگر اس میں کچھ نظام الدین رکھ لیتا ہے باقی مراہٹہ سردارو کو رشوت میں دے دیتا ہے تاکہ اس کا عہدہ برقرار رہے۔

شاہ عالم جب تک نظام الدین کی نگرانی میں رہا' کھانے سے محروم رہا۔ لیکن پیرون (Perron) کے زمانہ میں وہ ایک فرانسیسی افسر کی نگرانی میں تھا' اس وجہ سے اس کے ساتھ بہتر سلوک ہوا۔ اس نے کئی بار سندھیا کو لکھا کہ اس کا الاؤنس اسے بلاواسطہ ملا کرے تاکہ اس تک آتے آتے جو رقم خوردبرد ہو جاتی ہے وہ نہ ہوا کرے۔

جب انگریزوں نے 1803ء میں جنرل لیک کی راہنمائی میں دہلی پر قبضہ کیا تو شاہ عالم مراہٹوں کی قید سے چھوٹ کر انگریزوں کی قید میں آگیا۔ اگرچہ انگریز گورنر جنرل ویلزلی نے اس کا اظہار کیا کہ مغل بادشاہ کی حالت کو بہتر بنایا جائے گا۔ مگر عملی طور پر

ایسا ہوا نہیں۔

ان حالات کا خاتمہ جب ہوا جب شاہ عالم ایسٹ انڈیا کمپنی کی حفاظت میں آیا اور امراء کی جگہ کمپنی نے لے لی' اس کے بعد سے مغل بادشاہ کی حکومت محدود ہو کر لال قلعہ میں رہ گئی۔ کمپنی نے اپنی سیاسی طاقت مستحکم کرنے کے لئے کوشش کی کہ مغل بادشاہ کی طاقت آہستہ آہستہ ختم کر دی جائے' چنانچہ دہلی کے ریزیڈنٹ مٹکاف نے بادشاہ کو منع کر دیا کہ دوسرے ہندوستانی حکمرانوں کے تحفے نہ تو قبول کرے اور نہ انہیں کسی قسم کے تحفے بھیجے(6) آئندہ سے وہ کسی ہندوستانی حکمران کو کوئی خطاب نہ دے۔(7) کمپنی کے عہدیدار بادشاہ کو کمپنی کا وظیفہ خوار سمجھتے تھے اور اس وظیفہ کو کمپنی پر بار سمجھتے تھے اور اسی لئے وہ بادشاہت کے اس ادارے کو آہستہ آہستہ ختم کرنا چاہتے تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مغل بادشاہت کا خاتمہ تاریخی مقدر بن چکا تھا اگر 1857ء کا ہنگامہ نہیں ہوتا تب بھی مغل بادشاہت کا خاتمہ یقینی تھا۔ 1857ء نے اس خاتمہ کو ایک المیہ بنا دیا' دوسری صورت میں یہ خاتمہ بغیر کسی رنج و افسوس اور ماتم کے ہوتا۔

(4)

شاہ عالم جب انگریزوں کی حفاظت میں آیا تو انہوں نے اسے قلعہ معلی میں بالکل آزادی دے دی جہاں بادشاہ کی مرضی اور قانون چلتا تھا۔ شاہ عالم اور اس کے جانشینوں کے لئے مغل خاندان اور اس کے بڑھتے ہوئے اراکین کی تعداد ایک مسئلہ بن گئی تھی۔ بادشاہ ہونے کی حیثیت سے وہ اپنے خاندان کا سربراہ تھا اور اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے خاندان کی کفالت کرے۔ مرہٹوں کے زمانہ میں اسے جو پنشن ملتی تھی اس سے وہ اپنے خاندان کا پورا نہیں کر سکتا تھا۔ 1789ء میں اسے سترہ ہزار روپے ملتے تھے جبکہ اس کا خرچ پینتالیس ہزار روپیہ تھا۔ 1836ء میں اسے ساڑھے گیارہ ہزار پنشن ملتی تھی جس سے اس کے اخراجات پورے نہیں ہوتے تھے(8) اکبر شاہ کے زمانہ میں اخراجات اس قدر بڑھ چکے تھے کہ شاہی خاندان کے افراد قلعہ میں غربت و عسرت کی زندگی گزار رہے تھے۔ 1809ء میں ویلزلی نے نوے ہزار روپے کا

وظیفہ مقرر کیا۔(9) لیکن مغل خاندان کے اراکین کی تعداد اس قدر بڑھ چکی تھی کہ اس رقم میں ان کا گزارہ نہیں ہوتا تھا۔ جب اکبر شاہ نے خواجہ فرید کو وزیر مقرر کیا تو انہوں نے تین طریقوں سے اخراجات کم کرنے کی کوشش کی اول یہ کہ تمام شہزادوں' بیگمات اور عملہ کی تنخواہوں سے دس روپیہ فی صد تنخواہ کم کر دی' دوئم شاہی باورچی خانہ اور بعض شاہی کارخانے بند کرا دیئے۔ سوئم دیوان عام کی چھت جس میں سونا اور تانبا تھا۔ اس کا سونا اور تانبا الگ کر کے اس کے سکہ ڈھلوائے اور اس سے قرضہ ادا کیا۔ اس پر دہلی کے لوگ کہا کرتے تھے کہ چاندی کی چھت نادر شاہ نے لوٹی اور تانبے کی خواجہ فرید نے۔(10) لیکن یہ ایک وقتی حل تھا' اس لئے اس سے اخراجات کی تنگی کا مسئلہ حل نہیں ہوا مالی وسائل کی کمی نے مغل خاندان کی سماجی و معاشرتی زندگی کو متاثر کیا۔ بادشاہ' بیگمات اور شہزادوں نے زیورات و جواہرات بیچ کر گزارا کیا۔ مرہٹوں' جاٹوں' روہیلوں' نادر شاہ اور احمد شاہ کے ہنگاموں میں قلعہ معلی کئی بار لٹا' مغل بادشاہوں کا جمع شدہ خزانہ برباد ہوا دفینوں کی تلاش میں قلعہ کی دیواروں اور فرش کو کھودا گیا۔ غلام قادر روہیلہ نے شاہی کتب خانہ کی کتابوں تک کو بیچ ڈالا۔ اس لئے آخری عہد میں مغل خاندان عبرت کی دردناک تصویر پیش کرتا ہے ان کی محلاتی زندگی کا نقشہ دو یورپی سیاح عورتوں نے کھینچا ہے۔ جنہوں نے قلعہ معلی میں ان کی خانگی زندگی دیکھی۔ فینی پارکس محل کے بارے میں لکھتی ہے۔

> "وہ برآمدہ جس میں وہ رہتے ہیں اور کمروں کے درمیان کا راستہ یہ بالکل سادہ تھے اور ان میں کوئی خاص چیز نہیں تھی۔ ایک نوجوان شہزادہ مجھے محل کے مختلف حصوں میں لے گیا۔ میں اس کے ساتھ ایک شاندار ایوان میں داخل ہوئی جہاں کسی زمانے میں فوارے چلا کرتے تھے اور اس کی چھت پر رنگ ہوتا تھا اس پر سونے کا ملمع ہوا کرتا تھا...... لیکن اس جگہ اب جہاں فوارے تھے کالا اور گندہ پانی جمع تھا جیسے کہ باورچی خانے کی نالی سے آیا ہو"(11)

ملکہ سے ملنے کے بعد فینی پارکس کے تاثرات تھے کہ:

> "ذرا ان کی غربت دیکھو' بادشاہوں کی نسل کی یہ مفلوک الحالی' قدیم زمانہ

میں رخصت کے وقت یہ مہمانوں کے گلے میں موتیوں کی مالائیں اور قیمتی جواہرات ڈالا کرتے تھے۔ لیکن جب شہزادی ہدایت النساء بیگم نے اپنی غربت کے زمانہ میں سفید یاسمین کے پھولوں کا تازہ ہار میری گردن میں پہنایا تو میں اس قدر احترام سے جھکی کہ جیسے وہ دنیا کی ملکہ اعظم ہو"(12)

مسز میر حسن نے ایک ہندوستانی مسلمان سے شادی کی تھی' وہ جب قلعہ معلی کی سیر کو گئی تو اس کے تاثرات تھے کہ:

"میں نے بڑے افسوس کے ساتھ ملکہ کا تحفہ جو کڑھا ہوا رومال تھا قبول کیا کیونکہ مجھے علم تھا کہ اسکے ذرائع آمدنی اخراجات کے مقابلہ میں بہت کم ہیں لیکن وہ تحفہ جس کا مقصد میری عزت افزائی تھا۔ اس سے میں انکار نہیں کر سکی کہ اس سے اس کے جذبات مجروح ہوں گے جن کے لئے میرے دل میں بڑا احترام تھا ملکہ نے ایک چھوٹی سی معمولی قیمت کی انگوٹھی میری انگلی میں یہ کہہ کر پہنائی کہ یہ دینے والی کی یاد دلاتی رہے گی"(13)

(5)

آخر دور میں مغلیہ خاندان میں یہ روایت ہو گئی تھی کہ تمام شہزادے قلعہ معلی میں رہا کرتے تھے اور انہیں قلعہ سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ تیمور کی یہ آل و اولاد "سلاطین" کہلاتے تھے۔(14)

مغلیہ خاندان کی مدت حکمرانی کے ساتھ ساتھ اس کے خاندانکے اراکین کی تعداد بھی برابر بڑھ رہی تھی' حرم میں زیادہ سے زیادہ عورتیں رکھنے کا رواج ہو گیا تھا احمد شاہ نے اپنا حرم ایک میل کے اندر پھیلا رکھا تھا جہاں وہ مہینوں رہا کرتا تھا اور کسی مرد کی صورت تک نہیں دیکھتا تھا۔(15)ایک فرانسیسی سیاح لوئی' آنری پولیر نے شاہ عالم کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی 500 زائد محرمات تھیں' جن سے اس کے 70 لڑکے لڑکیاں تھیں اور کوئی سال ایسا نہ جاتا تھا جس میں کئی بچے تولد نہ ہوں۔(16) یہی بات ایک دوسرے سیاح داماداؤ نے لکھی ہے کہ شاہ عالم عورتوں کا شوقین تھا۔ 500 اس کی محرمات تھیں' کنیزیں اس کے علاوہ تھیں جو اسے متوجہ کرتی رہتی تھیں۔

(17) شاہ عالم کا بیٹا اکبر 18 سال کی عمر میں 18 بیویوں کا شوہر تھا۔(18) لہٰذا ملک کی آمدنی کا بیشتر حصہ شاہی خاندان کے وظائف میں چلا جاتا تھا۔(19) چونکہ یہ شہزادے قید میں رہتے تھے اس لئے نہ تو کوئی ہنر سیکھتے تھے اور نہ کوئی ملازمت کر سکتے تھے' ان میں اکثریت اپنی موجودہ زندگی پر قانع ہو چکی تھی اور اپنا وقت پتنگ اڑانے' بٹیربازی' کبوتر بازی' چوسر' گنجفہ اور شطرنج کھیلنے میں گزارتے تھے۔

1836ء میں قلعہ کے سلاطین کی تعداد 795 تھی۔ 1858 میں یہ بڑھ کر 2104 ہو گئی یہ تمام سلاطین قلعہ میں رہتے تھے۔(20) ان کا گزارا ان محدود وظائف میں نہیں ہوتا تھا جو انہیں بادشاہ کی جانب سے ملتا تھا۔ نام و نمود کی خواہش انہیں بے جا اصراف پر مجبور کرتی تھی۔ اخراجات کی تنگی اور وظیفوں کی غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے یہ آپس میں لڑائی جھگڑوں میں مصروف رہا کرتے تھے۔(21) اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے یہ مہاجنوں سے قرضے لیتے تھے اور پھر اُس کی ادائیگی میں لیت و لعل کرتے تھے' یہاں تک کہ معاملہ عدالت تک پہنچتا۔ مثلاً" یکم اگست 1845ء کو کنور جگت سنگھ نے عرض دی کہ میرزا تیمور نے اس سے چھ ہزار روپیہ قرض لیا تھا جو ادا نہیں کیا گیا بادشاہ نے اس پر ایک دفعہ مرزا تیمور کو لکھا کہ "اپنا قرض ادا کیا کرو۔(22) بہادر شاہ ظفر نے 8 مئی 1848ء کو شقہ جاری کیا کہ سلاطین قرض نہ لیا کریں۔ کیونکہ قرض خواہ عدالت میں مقدمہ دائر کرتے ہیں تو انہیں کچہری جانا پڑتا ہے۔(23) سلاطین اپنے اخراجات پورا کرنے کی غرض سے ہر ممکن ذرائع سے روپیہ وصول کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کا اندازہ بہادر شاہ ظفر کے ایک خط سے ہوتا ہے کہ 28 اگست 1846ء کو اسے اطلاع ملی کہ بعض سلاطین کا ارادہ ہے کہ جب انگریزی خزانہ سے روپیہ آئے تو اس پر جبرا" قبضہ کر لیا جائے' بادشاہ نے فورا" انگریزوں کو لکھا کہ روپیہ قلعہ میں نہیں بھیجا جائے بلکہ دوسری حویلی میں بھیجا جائے اور وہیں پر اسے تقسیم کی جائے۔(24)

مالی وسائل کی کمی' غربت و افلاس' بیکاری و کاہلی' قید و بند و پابندیاں' سازشی ماحول' محدود زندگی اور محدود مشاغل' بے مقصد زندگی' جھوٹی عظمت کا تصور اور حالات سے بے خبری یہ وہ وجوہات تھیں جنہوں نے سلاطین کی زندگی پر اثر ڈالا۔ ایسے ماحول

میں کسی با صلاحیت اور با عمل انسان کے پیدا ہونے کے کوئی امکانات نہیں تھے
فرانسیسی سیاح داماداؤ نے سلاطین کے بارے میں لکھا ہے کہ ان میں سے بیشتر کے
پاس ایک کمرہ بطور خواب گاہ ایک باورچی خانہ اور دوسری ملحقہ چیزیں ہوتی تھیں گھر
کا کام کرنا انکے لئے باعث شرم تھا۔ خواجہ سرا ملازم نہیں رکھ سکتے تھے سپاہیوں کا
ایک دستہ ان کی حفاظت کے لئے تھا تاکہ یہ اس سے باہر نہ جا سکیں۔(25)داماداؤ نے
سلاطین کے وظیفے کے بارے میں لکھا ہے کہ بعض کو ایک روپیہ یومیہ ملتا تھا اور بعض
کو تین سے پانچ تک۔(26) لیکن وظائف کی یہ رقم بھی انہیں پابندی سے نہیں ملتی
تھی۔ اس لئے جب ان کے پاس پیسے ختم ہو جاتے تو یہ اپنے اپنے گھروں میں شور
مچاتے اور بادشاہ جس کی رہائش ان سے زیادہ دور نہیں تھی ان کا ایک ایک لفظ سنتا'
(27)داماداؤ لکھتا ہے کہ :

"جب میں دہلی پہنچا تھا تو اس وقت شہزادوں کو دو ماہ سے کچھ نہیں ملا تھا۔
ان کی اشیاء خورد و نوش فراہم کرنے والوں نے مزید فراہمی سے انکار کر دیا
تھا۔ دو روز سے انہوں نے کچھ بھی نہیں کھایا پیا تھا۔ وہ اتنے زور زور سے
آہ و زاری کر رہے تھے کہ بادشاہ کو جس کے پاس بھی کچھ رقم نہیں تھی
اپنے قیمتی جواہرات ساہوکاروں کے پاس بھیجنا پڑے۔(28)

میجر کننگھم نے قلعہ معلّٰی کی سیر کرنے اور سلاطین کی رہائش گاہیں دیکھنے کے بعد لکھا
ہے کہ:

"سلاطین کی رہائش گاہیں اونچی دیواروں میں گھری ہوئی ہیں کہ کوئی ان کے
اندر نہ دیکھ سکے۔ ان کے درمیان لا تعداد جھونپڑیاں ہیں جن میں یہ ذلت
کے مارے لوگ رہتے ہیں۔ جب کبھی قلعہ کا دروازہ کھلتا ہے تو ان غریب'
مفلس' نیم برہنہ و نیم بھوکے لوگوں کا ہلہ ہوتا ہے اور یہ ہمارے اردگرد
کھڑے ہو جاتے ہیں ان میں سے کچھ کی عمر 80 سال سے زیادہ تجاوز کر گئی
ہے۔ یہ بچپن ہی سے یہاں قید رہے۔ ان میں سے کچھ نوجوان ہیں' کچھ
بادشاہ کے بچے ہیں جن کی مائیں یا تو مرگئی ہیں یا ٹھکرا دی گئی ہیں"(29)

سلاطین کی اس حالت کو دیکھ کر کمپنی نے اس مسئلہ کی طرف توجہ دی کہ اس

کا کیا حل تلاش کیا جائے؟ ایک تجویز یہ ہوئی کہ ان کے لئے قلعہ میں ایک کالج کھولا جائے تاکہ تعلیم کے بعد انہیں کمپنی کی اعلیٰ ملازمتیں دی جائیں۔ لیکن پھر یہ بھی سوچا گیا کہ اگر تعلیم کے بعد انہیں ملازمتیں نہیں ملیں تو اس صورت میں یہ ان کے لئے زیادہ خطرے کا باعث ہوں گے۔ اس لئے آخر میں انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ :

> "انہیں ان ہی کے راستے پر چھوڑ دیا جائے تاکہ یہ خاموشی سے عوام کے ہجوم میں گم ہو کر ختم ہو جائیں (کیونکہ جب یہ عوام میں ملیں گے) تو بے چینی و بے اطمینانی پیدا کریں گے۔ کیونکہ یہ ہر جگہ سوائے برائی کے کوئی اچھائی نہیں کریں گے لہٰذا انہیں معاشرے میں آزاد چھوڑ دیا جائے اس طرح یہ ہر جگہ اپنی بدکرداری' بدمعاشی اور کمینہ پن سے لوگوں کو مایوس کریں گے .... اس طرح سے ان کے نام کی عظمت آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گی اور یہ خود بخود خاموشی سے گمنامی میں ڈوب کر ختم ہو جائیں گے"(30)

1857ء کے ہنگامہ میں جب باغی فوجیوں نے بہادر شاہ ظفر کو اپنا راہنما بنایا تو بہت سے شہزادوں کو فوج میں اعلیٰ عہدے دیئے گئے۔ لیکن انہوں نے اس ہنگامہ کے دوران کسی اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ نہیں کیا۔ 1857ء کے انقلاب کی ناکامی کے بعد مغل بادشاہت کا خاتمہ ہوا' بہادر شاہ ظفر 1862 ء میں رنگون میں فوت ہوا' اس کے دو لڑکے 1858 میں میجر ہڈسن کے ہاتھوں مارے گئے' ایک لڑکا شہزادہ فیروز بھاگ کر مکہ چلا گیا اور بقایا زندگی وہیں گزاری ایک اور شہزادہ فخرالدین ایک انگریز کے ہاتھوں زخمی ہوا اور ایک معذور کی حیثیت سے دہلی میں جیتا رہا۔ بقایا سلاطین جنگ کے بعد قلعہ چھوڑ کر بھاگے اور در بدر کی ٹھوکریں کھا کر زمانہ کے ہاتھوں گمنامی میں روپوش ہو گئے۔

(6)

تاریخ کا یہ دستور رہا ہے کہ ایک حکمران خاندان جو صدیوں میں اپنا اقتدار مستحکم کرتا ہے وہی خاندان زوال کی حالت میں امراء کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوتا

اور شاہی خاندان کے اخراجات پورا کرنے کے لئے ساہوکاروں سے سود پر قبضہ لیں۔

ساہوکار طبقہ کی اہمیت اس وقت اور بڑھ گئی جبکہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں وجود میں آئیں۔ ان کے راجاؤں اور نوابوں کے پاس آمدنی کے ذرائع کم ہوتے تھے اس نے جب کبھی خانہ جنگی ہوتی یا انہیں مجبوراً خراج کی ادائیگی کرنی پڑتی یا بغاوتوں کو کچلنے کے لئے فوج بھرتی کرنی پڑتی تو اس صورت میں یہ بھی ساہورکاروں سے سود پر رقم لیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملازم پیشہ' امراء و جاگیردار اور بادشاہ و راجہ سب ہی ساہورکاروں کی سود پر لی ہوئی رقم پر گزارہ کرنے لگے جس کی وجہ سے وہ اس قابل نہیں رہے کہ خود کو مالی طور پر آزاد کر سکیں اور یہ ساہوکار طبقہ نہ صرف معاشی طور پر بلکہ سیاسی طور پر بھی طاقتور ہو گیا۔ مثلاً" بنگال میں جگت سیٹھ کا اثر و رسوخ اس قدر بڑھ گیا تھا اور اس کے اختیارات اس قدر وسیع ہو گئے تھے کہ وہ نہ صرف نواب کو قرضہ دیتا تھا بلکہ خود اپنے سکے مضروب کراتا تھا' یہی حال سیٹھ امی چند کا تھا۔ اس طبقہ کی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے ان کے تعلقات ایسٹ انڈیا کمپنی سے بڑھے اور تجارتی فوائد کی وجہ سے انہوں نے ملک کی اندرونی سیاست میں انگریزوں کا ساتھ دیا کیونکہ ان کی وجہ سے انہیں تجارتی مال کو ہندوستان سے باہر بھجوانے کے مواقع تھے اور ہندوستان سے ہی لوگ ان کے گماشتوں کی حیثیت سے انہیں تجارتی مال فراہم کرتے تھے' اس لئے جب بھی ایسٹ انڈیا کمپنی اور مقامی حکمران کے درمیان تصادم ہوا تو انہوں نے کمپنی کا ساتھ دیا جیسا کہ پلاسی کی جنگ میں ہوا۔ (1757ء)

جب ایسٹ انڈیا کمپنی اقتدار میں آئی تو اس نے اس کے ساتھ ہی تمام تجارت کو اپنے تسلط میں لے لیا اور جب ان کے لئے ساہوکار طبقہ کی ضرورت ختم ہو گئی تو انہوں نے ان سے تعلقات توڑ کر اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ اس لئے کمپنی کے بعد بدلتے سیاسی و معاشی حالات میں ساہوکار طبقہ بھی ختم ہو گیا کیونکہ نہ تو امراء کا طبقہ رہا کہ جو ان سے سود پر روپیہ لیتا نہ حکومت کے ملازمین کے جنہیں پابندی سے تنخواہیں نہیں ملتی تھیں اور نہ ہی چھوٹی حکومتوں کے حکمران - کیونکہ کمپنی نے ان کے دفاع کی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ اس لئے کمپنی کی حکومت کے ساتھ یہ طبقہ بھی آہستہ آہستہ اپنی اہمیت کھو بیٹھا۔

پانچواں باب

اودھ کا شاہی خاندان

اس موقع پر اودھ کے شاہی خاندان کو اس کے لئے منتخب کیا گیا ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ ہندوستان کی ریاستوں میں' جو مغلیہ خاندان کے آخری عہد میں خود مختار ہوئیں' ان کا ڈھانچہ کیا تھا اور وہ کونسے داخلی اور خارجی عوامل تھے' جو ان کے زوال کا باعث ہوئے کن حالات میں ان ریاستوں نے اپنی خود مختاری اور آزادی کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیا اور خود تمام خارجی و داخلی خطرات سے محفوظ و مامون ہو کر عیش و عشرت میں ڈوب گئے ان کے دربار سازش' مکر و فریب اور دغا بازی کے مرکز بن گئے' جس کے زیر اثر درباریوں اور رعیت میں احساس خود داری ختم ہو گیا اور اس کی جگہ بزدلی و کم ہمتی اور خوشامد نے لے لی' دربار کی سازشوں' امراء کی خوشامد و چاپلوسی' دولت کی فراوانی' عیش و عشرت اور آرام طلبی کے ماحول نے شاہی خاندان کے جن افراد کی تربیت کی' ان میں نہ تو حکومت کی لیاقت تھی اور نہ اعلیٰ کردار کی صفات' یہ ذہنی طور پر پسماندہ اور عیاشی کے نتیجہ میں جسمانی طور پر کئی امراض میں گرفتار تھے یہ شاہی خاندان اپنی کثر تعداد کے ساتھ ریاست اور عوام پر ایک زبردست معاشی بوجھ تھا' جس کے تلے مظلوم عوام پس رہے تھے اور ان کی محنت و مشقت کی کمائی پر نا اہل اور ناکارہ شاہی خاندان کے افراد پرورش پا رہے تھے۔

(1)

ابتداء میں اودھ کے حکمران "نواب وزیر" کہلاتے تھے' کیونکہ مغلیہ سلطنت میں وزارت کا عہدہ ان کے خاندان کے لئے موروثی ہو گیا تھا۔ سیاسی لحاظ سے یہ خود مختار اور آزاد تھے' لیکن قانونی طور پر یہ مغلیہ بادشاہ کی برتری اور سیادت کو تسلیم کرتے تھے اور اپنی وفاداری اور ارادت مندی کے طور پر وقتاً" فوقتاً" مغل بادشاہ کی

خدمت میں نذرانے اور تحفے تحائف بھیجتے رہتے تھے۔ ہر نئے نواب کو جانشینی کے بعد خلعت اور وزارت ملتی تھی جس کے حصول کے لئے اسے بڑی بھاگ دوڑ کرنی پڑتی تھی اور مغل بادشاہ کو بیش قیمت تحائف دینے ہوتے تھے کیونکہ اس کے بغیر اس کی قانونی حیثیت نہیں بنتی تھی یہ صورت حال غازی الدین حیدر تک باقی رہی۔ ان کے زمانہ میں لارڈ ماٹرہ کے اشارے سے غازی الدین حیدر نے بادشاہ کا لقب اختیار کر کے خودمختاری کا اعلان کر دیا اور اس کے بعد مغل خاندان سے سارے پرانے تعلقات ختم کر دیئے لیکن یہ تبدیلی اودھ کے شاہی خاندان میں کوئی انقلابی تبدیلی نہیں لا سکی اور نہ اس سے ان میں کوئی اعلیٰ اخلاقی صفات پیدا ہوئیں اور نہ اس سے ان کی سیاسی حیثیت ہی متاثر ہوئی۔

(2)

اودھ کا شاہی خاندان زوال شدہ' بیمار' پژمردہ اور اخلاقی انحطاط و پس ماندگی کے ماحول کی پیداوار تھا اس خاندان کی ابتداء اس وقت ہوئی جب ہندوستان میں مغلیہ سلطنت سیاسی و اخلاقی حیثیت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھی اور مغلیہ دربار کی سیاست میں سازشوں و بد عہدیوں اور دغا بازیوں کا زور زورہ تھا اور امراء حریفانہ کشمکش میں مصروف تھے۔ ایک دوسرے کو ہر حیلے اور فریب سے نیچا دکھانے میں مصروف تھے اور ان کی تمام تر صلاحیتیں اس جوڑ توڑ میں صرف ہو رہی تھیں۔ ایسے ماحول میں وہی کامیاب ہو سکتا تھا جو سب سے زیادہ بڑا سازشی ہو اور حالات کے تحت خود کو ڈھالنے میں ماہر ہو اس خاندان کے بانی برہان الملک سعادت خان (وفات 1737ء) ان صفات میں ماہر و تجربہ کار تھے سید برادران کے زوال اور سید حسین علی خاں کے قتل کی سازش میں یہ شریک تھے اور اسی کے بعد سے ان کا عروج ہوا اور یہ بادشاہ کے مقرب بنے۔ نادر شاہ نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو انہوں نے نادر شاہ کو اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ دو کروڑ روپیہ لے کر واپس چلا جائے۔ لیکن جب امیر الامراء کا عہدہ ان کے بجائے نظام الملک آصف جاہ کو ملا تو انہوں نے نادر شاہ سے کہا کہ دو کروڑ جیسی حقیر رقم کو وہ اپنی جیب سے دے سکتے ہیں دلی میں بادشاہی

خزانے' ہیرے' جواہرات سے بھرے پڑے ہیں اور امراء کے پاس بھی وافر دولت ہے اس لئے اس تمام دولت پر قبضہ کرنا چاہئے چنانچہ نادر شاہ ہندوستان سے مغلیہ خاندان کا تمام جمع شدہ خزانہ اٹھا کر لے گیا۔

ان کے جانشین صفدر جنگ (وفات 1753ء) بھی اس سازشی ماحول میں پلے بڑے تھے اور درباری سازشوں میں اپنا اعلیٰ مقام پیدا کیا تھا لیکن دہلی میں انہیں زیادہ کامیابی نہیں ہوئی تو اودھ میں چلے آئے ان کے بعد ان کے لڑکے شجاع الدولہ نے ہندوستان کی خانہ جنگی میں حصہ لے کر سیاسی صورت حال میں مزید بگاڑ پیدا کیا۔ بکسر کے مقام پر انہیں انگریزوں کے ہاتھوں شکست ہوئی اس کے بعد سے انہوں نے انگریزوں سے مفاہمت کی پالیسی اختیار کی اور ان کی مدد سے اپنی آخری لڑائی میں روہیلوں کو تباہ و برباد کیا۔

ان کے بعد سے جو جانشین ہوئے' ان کا دائرہ کار محدود ہو کر صرف اودھ تک رہ گیا۔ اس کے بعد سے ہندوستان کی وسیع سیاسی صورتحال میں ان کا دخل زیادہ نہیں رہا اودھ کے نواب اور بادشاہ کمپنی کی زیر حفاظت آگئے اور آہستہ آہستہ کمپنی کی سیاسی طاقت بڑھتی رہی اور اودھ کے حکمران محض کٹھ پتلی بن کر رہ گئے کمپنی کی حفاظت میں آنے کے بعد انہوں نے خود کو ہر قسم کے خارجی حملوں سے بھی محفوظ سمجھا اور داخلی بغاوتوں کا خطرہ بھی زیادہ نہیں رہا اس تحفظ کے احساس نے ان کو مزید خواب غفلت میں سلا دیا۔ ملک کی اندرونی خطرات اور چیلنجوں کے نہ ہونے نے ان کو عیش و عشرت کی طرف راغب کیا اور یہیں سے اس خاندان کے زوال کی ابتداء ہوئی۔

ابن خلدون کے اس نظریے کے تحت کہ چار پشتوں کے بعد خاندان کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اودھ کے شاہی خاندان کی تعریف اس پر پوری اترتی ہے برہان الملک اس خاندان کے بانی تھے۔ انہوں نے اپنی کوششوں سے اودھ کے صوبے کو اپنے لئے حاصل کیا' صفدر جنگ نے اپنی اور خاندان کی پوزیشن کو صوبے میں مستحکم کیا۔ شجاع الدولہ نے اس میں اضافہ کیا اور آصف الدولہ کے بعد سے زوال شروع ہوا۔ سیاسی و اخلاقی' سماجی و معاشی ہر میدان میں زوال کی علامتیں ان کے عہدے سے

شروع ہو گئیں اور ان کے بعد تو یہ خاندان برائے نام حکمران تھا' ورنہ ایسٹ انڈیا کمپنی ہی ساری طاقت و قوت رکھتی تھی اس کے ساتھ ہی کردار کے لحاظ سے ایک کے بعد دوسرا جو بھی بادشاہ ہوا' اس میں کمی ہوتی چلی گئی اور اس خاندان میں اس قسم کی اہلیت نہیں رہی کہ وہ کوئی اولوالعزم اور حوصلہ مند حکمران پیدا کرے۔ ابن خلدون کے نظریئے کے تحت زوال مقسوم ہو چکا ہوتا ہے اور اس کے احیاء کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی اس زوال میں دانستہ یا نا دانستہ شاہی خاندان خود حصہ لیتا ہے اور تباہی کے راستے پر گامزن ہوتا ہے۔ یہاں ان عوامل کی نشاندہی کی گئی ہے' جو اس خاندان کے زوال کا باعث بنے۔

(3)

اودھ کا ملک زرخیز اور آمدنی والا ملک تھا اس کی آمدنی کا کثیر حصہ شاہی خاندان اور اس کے ارکان پر خرچ ہو جاتا تھا باقی ریاست کے اہلکار خورد برد کر لیتے تھے رعیت اور عوام کی فلاح و بہبود اور رفاع عامہ کے کاموں کے لئے اس میں سے بہت کم بچاتا تھا اس لئے شاہی خاندان اور اس کے متوسلین ریاست اور عوام پر ایک عظیم اقتصادی بوجھ بنے ہوئے تھے شاہی خاندان کے اخراجات نے نہ صرف خاندان کو زوال پذیر کیا' بلکہ ریاست کی اقتصادی و سماجی و اخلاقی حالت کو بھی متاثر کیا۔

اودھ کے شاہی خاندان کی تنظیم اور ڈھانچہ اسی انداز میں تعمیر ہوا جیسے کہ دوسرے شاہی خاندانوں کا' مثلاً" اس کے ارکان نے بھی زیادہ سے زیادہ شادیاں کیں۔ حرم میں عورتوں اور کنیزوں کی تعداد میں اضافہ کیا جس کے نتیجے میں کثرت سے اولاد پیدا ہوئی اور خاندان کے ارکان کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوا اور اس اضافے کے ساتھ ساتھ ملک کی اقتصادی حالت پر بھی اثر پڑا کیونکہ اسی تیزی کے ساتھ خاندان کے اخراجات میں بھی اضافہ ہوا حرم میں ان عورتوں کے خرچے' ان کے زیب و زینت و آرائش کے اخراجات اور ان کے کھانے پینے رہنے سہنے پر کثیر رقم خرچ ہوتی تھی۔ نواب شجاع الدولہ کے حرم میں ہزاروں عورتیں تھیں' شہر میں چند کٹنیاں مقرر تھیں جو ان کے لئے خوبصورت عورتیں تلاش کر کے اور ہزارہا روپیہ

خرچ کر کے انہیں فراہم کرتی تھیں۔ ان کی تعداد اندازاً" دو ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ (1)ان کی کنیزوں اور داشتاؤں میں سے اکثر بے اولاد رہیں۔ اس پر بھی یہ 25 لڑکے اور 22 لڑکیاں چھوڑ کر مرے آصف الدولہ کے بارے میں مشہور تھا کہ ان میں قوت رجولیت نہیں تھی' لیکن حرم میں انہوں نے پانچ سو عورتیں جمع کر رکھی تھیں۔ ان میں سے اکثر وہ تھیں جنہیں نواب حالت حمل میں محل میں داخل کرتے تھے اور جب بچہ ہوتا تھا تو خوشی مناتے تھے' اس طرح ان کے پاس تیس لڑکے اور اٹھائیس لڑکیاں جمع ہو گئیں تھیں۔(2) سعادت علی خاں کے دس لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں۔ غازی الدین حیدر کے دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ نصیر الدین حیدر اولاد سے محروم رہے۔ محمد علی شاہ کے پندرہ لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ امجد علی شاہ کے دس لڑکے لڑکیاں اور واجد علی شاہ کے چالیس لڑکے اور چونتیس لڑکیاں تھیں۔ ان کے حرم میں عورتوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔(3)اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محل میں بیگمات اور عورتوں کی تعداد بڑھتی رہی' نہ صرف یہ بلکہ اس کے ساتھ ہی جب نواب یا بادشاہ کسی عورت سے شادی کرتے تو اس کے نتیجے میں اس کے باپ' بھائی اور اہل خاندان کو بھی جائیداد ملتی تھی اور وظیفہ مقرر کیا جاتا تھا' تحفہ تحائف اس کے علاوہ تھے۔ مثلاً" نصیرالدین حیدر نے معرفت علی خاں کی لڑکی سے شادی کی' چھ لاکھ روپے کی اسے جاگیر ملی اس کے بعد ناظم جاگیرو داروغہ ڈیوڑھی مقرر ہوئے۔(4)خورشید محل سے جب انہوں نے شادی کی تو اس کے باپ کو جو سواروں میں نوکر تھے۔ جاگیر بھی ملی اور داروغہ ڈیوڑھی مقرر ہوئے۔ حسینی خانم کو جو کئی شادیاں کر کے محل میں داخل ہوئی تھیں ملکہ بن کر "ملکہ زمانیہ" کا خطاب ملا۔ چھ لاکھ روپے کی جاگیر ملی تیس لاکھ نقد ملا۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی بند بھی دولت مند ہو گئے۔ والٹر نام کے ایک انگریز کی ہندوستانی عورت سے لڑکی تھی' اس سے شادی کر کے ولایتی محل کا خطاب دیا۔ پچاس ہزار روپیہ نقد اور لاکھوں کا سامان تحفے میں دیا اس کے رشتہ داروں کو بھی جاگیر و تحائف ملے۔(5)واجد علی شاہ کے زمانے میں ایک ارمنی خاتون اپنی لڑکی کے ہمراہ لکھنؤ آئی' لڑکی سال بھر تک انگریزی لباس پہنے بادشاہ کو سلام کرتی تھی آخر ایک رات بادشاہ نے میر کلو خواص کو بھیجا اور حکم دیا کہ میز پر سے تین لاکھ روپے کے

زیور لے کر آؤ اور انہیں پہنا کر ہمارے پاس لاؤ ''خلاصہ جب مشرف سعادت ابدی ہو چکی'' تو پانچ ہزار دے کر رخصت کیا۔ کئی دن بعد پھر طلب کیا زیور' جواہرات' دو ہزار روپے اور ایک ہزار اشرفیاں دیں۔ جب اس سے نکاح کیا تو ایک جڑاؤ جوڑی قیمت ایک لاکھ' ایک نتھ' قیمت لاکھ' اسے دیا۔ پانچ ہزار ماہوار مقرر ہوئے۔(6)ان کی بیگمات کے متوسلین اور اقرباء کے بارے میں کمال الدین حیدر لکھتا ہے۔

''خلاصہ ہر صاحبان محل کے اقربا و متوسلین دولت سے جو نان شبینہ کو محتاج تھے' جنہیں سفید کپڑے اور چمڑے کی جوتی میسر نہ تھی' ہر محلے میں ہر ایک جھونپڑے اور کچی حویلی میں رہتا تھا' ایک قیامت برپا ہوئی تھی' پہلے ہر ایک نے اپنا حق ہمسایہ ادا کیا تھا مکان لے کر مناسب اپنے مقدور کے عمارات عالیشان بنوانا شروع کی تھی اہل کار اور ارکان دولت اپنی آبرو کو ان سے ڈرنے لگے اور ہر محکمہ عدالت میں اگر کوئی متوسل کی محل کا دھرا گیا سفارش سے با سلامت گھر پہنچا''(7)

بیگمات کے یہ متوسلین خود کو مراعات یافتہ سمجھتے ہوئے رعیت کو ستانے اور لوٹ کھسوٹ میں مصروف رہتے تھے۔ یہ ریاست اور عوام پر ایک اقتصادی بوجھ تھے کیونکہ ان تمام کو جاگیریں' وظیفے' وثیقے اور تنخواہیں ملا کرتی تھیں۔ تہواروں' تقریبوں اور شادی بیاہ کے موقعوں پر انہیں بیش قیمت تحائف ملا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے اخراجات بڑے فیاضانہ تھے ان کا رہن سہن' کھانا پینا' شاہانہ تھا۔ یہ نام و نمود پر بے دردی سے خرچ کرتے تھے' جس کی وجہ سے انہیں ہمیشہ اخراجات کی تنگی رہا کرتی تھی۔ شجاع الدولہ کی گیارہ لڑکیاں آصف الدولہ کے زمانے میں لکھنؤ چلی آئیں ایک مرتبہ قلت تنخواہ کے سبب محل سے نکل کر انھوں نے سرکاری کوٹھیوں کے مال و اسباب کو لوٹ لیا اس کے بعد ان کی تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا۔(8)غازی الدین حیدر کے زمانے میں نائب سلطنت معتمد الدولہ نے چاہا کہ شاہی خاندان کے افراد کو جو ہزارہا روپے تنخواہ دی جاتی ہے اس کو کم کر دیا جائے تو اس پر بیگمات کی طرف سے سخت احتجاج ہوا اور وہ نصف شب کو کوٹھیوں پر محرم کا باجا بجا کر معتمد الدولہ کو کوستی تھیں۔

تنخواہوں اور وظیفوں میں شاہی خاندان کو مختلف مراتب اور درجوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ نکاحی اور متاعی بیگمات کے وظیفہ زیادہ تھے دوسری قسم کی عورتیں جو "خورد محل" کہلاتی تھیں ان کے وظیفے کم تھے اس طرح رشتے کی قربت اور دوری کے سبب سے وظیفے کی رقم زیادہ اور کم ہوتی تھی' نواب کے لڑکوں اور بھائیوں کو سب سے زیادہ وظیفے ملا کرتے تھے۔ آصف الدولہ کے زمانہ میں ان کے بھائی سعادت علی خاں کو تین لاکھ روپے سالانہ ملتے تھے۔ سعادت علی خاں کے لڑکے شمس الدولہ کو چودہ ہزار ایک سو اکہتر روپے چودہ آنے ماہوار ملا کرتے تھے جب وہ لکھنؤ سے بنارس آئے تو دو کروڑ سے زیادہ کا مال ان کے پاس تھا۔(9)

شاہی خاندان کے افراد نے اپنی مالی حیثیت کے استحکام کی خاطر ایک اور طریقے پر عمل کیا چونکہ اکثر سیاسی تبدیلیوں کے نتیجہ میں ان کی جائیداد ضبط ہوتی رہتی تھی اور ان کے وظائف میں کمی بیشی بھی ہوتی رہتی تھی' اس لئے حکمران اور ان کی بیگمات نے اپنے رشتے داروں اقربا اور متوسلین کی مالی حالت کو مستحکم کرنے کی خاطر ان کے دائمی وثیقے مقرر کرائے اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک مخصوص رقم گورنر جنرل یا ریزیڈنٹ کو دے دی جس کے سود سے ان کے متوسلین کو نسل در نسل وثیقے ملتے رہتے تھے' مثلاً" غازی الدین حیدر نے کمپنی کو قرض پر روپیہ دیا اس کے سود سے مندرجہ ذیل افراد کے وظیفے مقرر ہوئے۔

معتمد الدولہ اور ان کے متعلقین	:	پچاس ہزار روپے ماہوار
مبارک محل	:	دس ہزار روپے ماہوار
سلطان مریم	:	پندرہ سو روپے ماہوار
ممتاز محل	:	پندرہ سو روپے ماہوار
سرفراز محل	:	ایک ہزار روپے ماہوار(10)

ایک اور قرضے میں بادشاہ نے کمپنی کو ایک کروڑ آٹھ لاکھ پچاس ہزار روپے دیئے اور اس سے پانچ شاہی خاندان کے ارکان کے وظیفے مقرر ہوئے جو چھ ہزار سے ایک ہزار ماہوار تک تھے۔ اسی طرح کے دائمی وظائف نصیر الدین حیدر' محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ نے اپنے اقربا' متوسلین کے مقرر کئے بہو بیگم والدہ آصف الدولہ نے

اپنا سارا نقد و جنس کمپنی کو دے دیا جس کے منافع سے ان کے متعلقین کو وثیقے ملتے رہے۔(11)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شاہی خاندان' اس کے اراکین و متوسلین ملک کے محاصل اور اس کی آمدنی پر قابض تھے اور اس کا کثیر حصہ ان کی تنخواہوں اور وظیفوں پر خرچ ہو جاتا تھا اس دولت کے ہوتے ہوئے اس طبقہ کے پاس کچھ کرنے کو نہیں تھا اور اس پیسے کو یہ تہواروں' شادی بیاہ' نذر و نیاز' چڑھاوے' تعزیہ داری' خیرات اور صدقات میں صرف کرتے تھے اور اپنا زیادہ وقت لہو و لہب اور عیش و عشرت میں گزارتے تھے' مرغبازی' بٹیربازی اور پتنگ بازی پر لاکھوں روپے خرچ کرتے تھے۔

اس ماحول اور نظام نے ایک ایسے طبقے کو جنم دیا جو انتہائی ناکارہ اور ذہنی لحاظ سے انتہائی پس ماندہ تھا' جو اپنا زیادہ وقت بے مقصد کاموں میں صرف کرتے تھے اور جن کی زندگی کا مقصد کام و دہن کی لذت اور جسمانی عیاشی تھا۔

شاہی خاندان کے افراد کی پرورش محلات میں بیگمات و خواجہ سراؤں کے درمیان میں ہوتی تھی' اس لئے ان کی عادات و خصائل بھی ان ہی جیسے ہو جاتے تھے ریاست اور سلطنت کے نظم و نسق اور ملکی حالات سے یہ قطعی بے خبر ہوتے تھے۔ ابتدا ہی سے آرام و آسائش کی زندگی اور فرمائشات کی تکمیل انہیں خود سر اور ضدی بنا دیتی تھی عورتوں کی صحبت اور ابتدائی عمر سے عیاشی ان میں جنسی بے راہ روی پیدا کر دیتی تھی' مثلاً" شجاع الدولہ کو جہاں عورتوں سے شغف تھا' وہاں امرد پرستی کی طرف بھی مائل تھا' ہمت بہادر اور یوسف خواجہ سرا ان کے محبوبوں میں سے تھے۔ (12) آصف الدولہ بھی امرد پرستی کا شکار تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مفعول تھے۔ نصیرالدین حیدر کو عورتوں سے اس قدر تعلق تھا کہ وہ بہت کم محل سے باہر نکلتے تھے۔ انہوں نے ایک عیش محل تعمیر کرایا تھا جس میں سینکڑوں عورتیں جمع رہتی تھیں۔ اکثر لوگ روپے کے لالچ میں اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو ان کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ بادشاہ کے ملازم خوبصورت عورتوں کو لالچ دے کر لاتے بہت سی عورتیں محل میں داخل ہونے کی خواہش میں آتیں اور محل کے ملازمین کی عیاشی کا سامان بنتیں۔(13)ان کے

زمانے میں ملک کی تہائی آمدن عورتوں کے مصارف پر خرچ ہوتی تھی محلات میں عورتوں کی کثیر تعداد کا نتیجہ تھا کہ یہ بیگمات دوسروں سے ناجائز تعلقات رکھتی تھیں۔ نصیرالدین حیدر کی بیوی قدسیہ بیگم نے اس خیال سے کہ بادشاہ کے کوئی اولاد نہیں ہوتی اپنے پہلے شوہر کو بلا کر کئی مہینے محل میں خفیہ رکھا' اس سے حمل ٹھہرا' جو بادشاہ کا مشہور ہوا۔ مگر چھ مہینے میں حمل ساقط ہوا اور انہیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔(14) ان کی ایک اور بیوی عمدہ بیگم کو بد اطواری کے الزام میں سرمنڈا کر ایک بھنگی کے حوالے کر دیا۔(15)

اس ماحول میں جس کردار کی تعمیر ہوتی تھی اس میں گھٹیا پن' بے مروتی' بد اخلاقی' ظلم و ستم اور لالچ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ آصف الدولہ کے متعلق محمد فیض بخش نے "فرح بخش" میں لکھا ہے:

"طفلی سے مزاج لہو و لعب کی طرف مائل تھا۔ مردم پواج کے ساتھ صحبت نامناسب رکھتے تھے۔ اس لئے رذیل' سفلہ اور دوئی ہمت لوگوں کی ہم نشینی پسند تھی بے محل ہنسنا' گالی دینا اور پھر فحش کلام کا ترکی بہ ترکی طالب رہنا' لایعنی کھیلوں کی طرف رغبت رکھنا' جس شخص کی زبان فحش کلامی کی عادی ہو اس سے نہایت محفوظ ہونا' محفل میں زیادہ تر کلمات فحش پسند کرنا طبعی خاصہ تھا"(16)

غازی الدین حیدر اپنے نائب سلطنت معتمد الدولہ کے زیر اثر تھے' دن رات نشے میں مست رہتے تھے ایک دن معتمدالدولہ ایک شخص کالکاداس کو بادشاہ کی زیارت کرانے اپنے ساتھ لائے اور اسے ایک جگہ کھڑا کر کے خود کسی کام سے چلے گئے۔ اتفاقاً" بادشاہ ادھر آنکلے اور کالکاداس کو دیکھکر جو لحیم و شحیم اور کالا بھینگا تھا' اسے دیو اور جن سمجھے اور اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ اسے گرفتار کرلو معتمدالدولہ نے اسے بعد میں پیسے لے کر چھوڑ دیا اور بادشاہ کے دریافت کرنے پر کہا کہ وہ دیو اچانک غائب ہو گیا۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ پیش آیا۔ بادشاہ ایک شخص پر مہربان تھے۔ معتمدالدولہ نے اسے حکم دیا کہ اپنے گھر سے مت نکلا کرو اور بادشاہ سے کہہ دیا کہ وہ شخص مرگیا۔ ایک دن اتفاق سے وہ شخص گھر سے نکلا اور بادشاہ کی سواری کے سامنے آگیا۔ اسے

دیکھ کر بادشاہ نے کہا کہ یہ شخص تو موجود ہے اس پر معتمدالدولہ اور حاضرین دربار نے کہا کہ کہاں ہے؟ حضور کی چشم شاہد عالم ارواح کو دیکھ سکتی ہے ہمیں تو نظر نہیں آرہا۔ بادشاہ نے اس بات کا یقین کر لیا۔(17)

نصیرالدین حیدر کے دماغ میں قہر و غضب بہت تھا۔ غصے کی حالت میں بہت سوں کو زندہ درگور کرا دیا۔ محل کی بعض عورتوں کو بد چلنی کے الزام میں زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ایک رات چند خواص کو جو شراب میں مدہوش تھیں' ایک کوٹھڑی میں بند کروا دیا' جہاں وہ گرمی اور پیاس کے مارے صبح تک مر گئیں۔(18)

(5)

ملک سے جو آمدنی ہوتی تھی اسے رعیت کی فلاح و بہبود پر خرچ نہیں کیا جاتا تھا' بلکہ یہ شاہی خاندان اور اس کے افراد کی ذاتی دلچسپیوں' شغلوں' کھیلوں' تہواروں' تقریبوں اور رسموں پر خرچ ہوتی تھی' مثلاً" شادیوں پر بے انتہا خرچ کیا جاتا تھا۔ شجاع الدولہ کی شادی میں انچاس لاکھ روپے' آصف الدولہ کی شادی میں چوبیس لاکھ روپے اور وزیر علی کی شادی میں تیس لاکھ روپے صرف ہوئے۔ آصف الدولہ ہولی اور بسنت کے تہواروں پر چالیس لاکھ روپے خرچ کرتا تھا۔(19)نواب امیرالدولہ کلکتہ سفارت پر گئے تو سفر خرچ کے انہیں اٹھارہ لاکھ روپے ملے اور کروڑ روپے تک خرچ کی اجازت تھی۔(20) آصف الدولہ کا ذاتی خرچ پچاس ہزار روپے ماہانہ تھا' جب اخراجات اور بڑھ جاتے تو فوج میں کمی کرتے اور سپاہیوں کو بر طرف کر دیتے تھے۔

غازی الدین حیدر بادشاہ ہوئے تو چتر تخت اور لوازمات شاہی پر دو کروڑ روپے خرچ ہوئے نصیر الدین حیدر کے زمانے میں نئی نئی شادیوں' نذر آئمہ معصومین' اعزاداری' محرم' لباس' فرمائشات اور اخراجات' محلات پر سارا جمع شدہ خزانہ خرچ ہو گیا ان کا ذاتی خرچہ ایک کروڑ روپیہ ماہانہ تھا جبکہ سلطنت کی آمدنی گھٹ کر ایک کروڑ چھ لاکھ روپے رہ گئی تھی۔(21)

اخراجات کی زیادتی کے سبب ریاست کے اہلکار رعیت سے زبردستی پیسہ وصول کرتے تھے اور آئے دن نئے نئے ٹیکسوں کا اضافہ ہوتا تھا جس نے ملک کو اقتصادی و

معاشی طور پر کھوکھلا کر دیا۔ معاشرے میں امیر و غریب کے معیار زندگی میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ایک طرف وہ لوگ تھے جن کے پاس زندگی کی تمام آسائشیں میسر تھیں تو دوسری طرف وہ لوگ تھے جو ہر آسائش سے محروم تھے لہٰذا ایک ایسا معاشرہ جس میں ایک طبقہ قانون سے بالاتر ہو جائے' دولت جس کے پاس جمع ہو کر مرتکز ہو جائے اور جو تمام مراعات کا حقدار ہو ایک ایسے معاشرے میں انصاف' عدل' قانون اور حق کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور یہ طبقاتی نفرت ایسے معاشرے کو تہس نہس کر کے رکھ دیتی ہے' یہی کچھ اودھ کے شاہی خاندان کے ساتھ ہوا۔

اس لئے جب اودھ کی سلطنت ختم ہوئی تو اس کا غم ان لوگوں کو تھا جو مراعات یافتہ تھے جو مفت کی تنخواہیں اور وظیفے لیتے تھے' عوام پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا اسی لئے جب واجد علی شاہ کی سواری لکھنؤ سے چلی ہے تو بقول کمال الدین حیدر کہ : "شہدے شہر کے در دولت تا دریائے گنگ پیادہ زبان طعن و تشنیع بیگانہ کھولے ساتھ رہے"(22) یہ شہدے عوام ہی ہو سکتے تھے جو شائد اس وقت اپنی نفرت کا اظہار کر رہے ہوں۔

(6)

جانشینوں کی کثرت نے ہمیشہ شاہی خاندان کے زوال میں اہم کردار ادا کیا ہے' کیونکہ ہر شاہی خاندان کے فرد کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ حکومت اسے ملے اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے وہ اپنے حمائتیوں کو ہر قسم کی مراعات دینے کو تیار رہتا تھا۔ اس نتیجے میں ہر بادشاہ کی تخت نشینی شاہی خاندان کو کمزور کرتی تھی اور اس حمایتی امراء اور جماعتوں کو طاقت ور۔

ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی اٹھارویں صدی میں طاقت ور بن کر ابھری تھی' اودھ میں اسے شجاع الدولہ کے بعد سے بے انتہا اثر و رسوخ حاصل ہو گیا تھا۔ اس لئے جانشینی کے لئے ہر شاہی خاندان کا فرد اس کی حمایت کا طالب ہوتا تھا۔ اس صورت حال نے کمپنی کو موقع دیا کہ وہ امیدواروں سے اپنی پسند کے معاہدے کر لے اور جو جس قدر مراعات دے اسے تخت نشین کرائے' اس لئے ہر نواب اور بادشاہ

نے جانشینی کے وقت کمپنی سے معاہدہ کیا اور انہیں برابر زیادہ سے زیادہ مراعات دینے لگے۔ سعادت علی خاں نے جانشینی کے شوق میں آدھی سلطنت کمپنی کو بخش دی اس صورت حال نے انگریز گورنر جنرل اور ریزیڈنٹ کو انتہائی طاقتور بنا دیا اور بادشاہ مجبور ہو کر رہ گیا اسی لئے جب انہیں اپنی مکمل طاقت اور بادشاہ کی مکمل مجبوری کا احساس ہوا تو انہوں نے ریاست کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس فیصلے کے خلاف نہ تو بادشاہ کی طرف سے مزاحمت ہوئی اور نہ رعیت کی طرف سے۔ مختصراً اودھ کے شاہی خاندان کے زوال کے یہ اسباب تھے۔

1- شاہی خاندان کے ارکان و متوسلین کی تعداد میں اضافہ اور ان کے اخراجات کا بوجھ۔

2- شاہی خاندان کے افراد کی نا اہلی، عیش و عشرت اور اسراف۔

3- ان کے وظیفوں اور وثیقوں کی دائمی شکل جس نے ایک ناکارہ طبقے کو جنم دیا۔

4- آمدنی کم اور اخراجات زیادہ، جس نے ملک کی معاشی حالت کو بگاڑ دیا۔

5- جانشینی کی خاطر کمپنی کو زیادہ سے زیادہ مراعات دینا۔

حوالے

1- نجم الغنی خاں: تاریخ اودھ - حصہ سوئم لکھنؤ 1919ء ص 15

2- ایضاً ص 356

3- ایضاً حصہ چہارم - ص - 37 - 43 - 45

کمال الدین حیدر: تواریخ اودھ - حصہ اول - لکھنؤ 1896ء

ص 12, 11, 8, 7

4- کمال الدین حیدر: ص 289

5- نجم الغنی خاں: حصہ چہارم - ص 253-256

6- کمال الدین حیدر: حصہ دوئم - ص 54

7- کمال الدین حیدر: حصہ دوئم - ص 289

8- کمال الدین حیدر: حصہ اول - ص - 5

9- نجم الغنی خاں : حصہ چہارم - ص 219
10- ایضاً" ص 203
11- ایضاً" : ص 132
12- نجم الغنی خاں : حصہ دوئم - ص 2
13- نجم الغنی خان : حصہ چہارم - ص 370-371
14- ایضاً" : ص 361
15- ایضاً" : ص 362
16- نجم الغنی خاں : حصہ سوم ص 2
17- نجم الغنی خاں : حصہ دوم - ص 159
18- نجم الغنی خاں : حصہ چہارم - ص 254 - 415
19- نجم الغنی خاں : حصہ سوئم - ص 155-156
20- کمال الدین حیدر : حصہ اول - ص 103
21- ایضاً" ص 314
24- کمال الدین حیدر : حصہ دوم - ص 161

چھٹا باب

درباری رسومات

جن درباری رسومات کی ابتداء عہدہ مغلیہ کے ابتدائی دور میں ہوئی تھی ان رسومات کو آخری دور حکومت میں بھی اسی طرح برقرار رکھا گیا۔ ان میں وقتاً" فوقتاً" معمولی تبدیلیاں ضرور ہوئیں لیکن دربار کا ڈھانچہ ترتیب و تنظیم اور آداب تقریباً" اسی طرح قائم رہے۔ کورنش تسلیم درباریوں کی مخصوص نشستیں' دربار کی مخصوص زبان' نذر' خلعت کی بخشش اور اس قسم کی رسومات کو آخری عہد میں بھی باقی رکھا گیا۔

دربار میں' درباری رسومات کا سختی سے خیال رکھا جاتا تھا۔ ان تمام رسومات اور آداب کے پس منظر میں جو نظریہ کام کر رہا تھا وہ یہ تھا کہ بادشاہ کی شخصیت کو معاشرے میں اعلیٰ و ارفع مقام دیا جائے اور اس کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں قائم کر دی جائے۔

آخری عہد میں اگرچہ بادشاہ کی سیاسی و مالی حیثیت انتہائی خستہ ہو چکی تھی' لیکن اس کے باوجود شاہی دربار' عیدین' نو روز' بسنت' ہولی' جشن وزن اور انگریز ریزیڈنٹ کی آمد پر منعقد کئے جاتے تھے۔ ایسا ہی دربار ایک فرانسیسی سیاح یوک ماں کے لئے منعقد ہوا اور بادشاہ نے اسے خلعت عطا کیا اور اپنے ہاتھوں سے ہیروں کی کلفی لگائی۔ دوسرا ایک جرمن سیاح تھا جو بہادر شاہ کے دربار میں حاضر ہوا جہاں اسے تلوار اور خلعت انعام میں ملی جس کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ نہ تو تلوار کو استعمال کیا جا سکتا ہے اور نہ خلعت کو پہنا جا سکتا ہے۔(1)

اس دور میں قلعہ معلیٰ مرمت نہ ہونے کے باعث شکستہ ہو رہا تھا۔ دربار عام ویران پڑا تھا اور بادشاہ کی مالی حالت اس قابل نہیں تھی کہ وہ اس کی مرمت کرا سکے اس لئے آخری دور میں تمام دربار "دربار خاص" میں منعقد ہوتے تھے اور دیوان عام

کی عمارت مغلیہ خاندان کے زوال کی علامت بنا ہوا تھا۔ دیوان خاص کی عمارت کے بارے میں سرسید آثار الصنادید میں لکھتے ہیں کہ :

"اس عمارت کے بیچوں بیچ پایہ نما ستون بنا کر اٹھارہ گز کے طول اور دس گز کے عرض سے مکان بنایا ہے اور اس کے بیچوں بیچ جس میں ایک چبوترہ ہے اس چبوترے پر تخت طاؤس رکھا جاتا ہے اور اس پر حضور والا اجلاس فرماتے ہیں"(2)

شاہ جہان کا بنایا ہوا تخت طاؤس تو نادر شاہ اپنے ساتھ لے جا چکا تھا اور اس کی شکل کا ایک تخت طاؤس محمد شاہ کے زمانہ میں بنا تھا۔ یہ لکڑی کا بنا تھا اور اس میں جواہرات کے بجائے نگینے جڑے ہوئے تھے مگر وہ بھی اصلی نہیں تھے۔ بہادر شاہ نے اپنے زمانہ میں ایک چاندی کا تخت بنوایا تھا۔(3)جسے بہت ہی معمولی قسم کے ہیرے جواہرات سے مزین کیا گیا تھا۔(4)

جو لوگ دربار میں شرکت کرنے آتے تھے ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ دربار کے باہر اپنی سواریوں سے اتر جائیں۔ لہٰذا امراء نقارخانے کے دروازہ کے پاس سواریوں سے اتر کر دربار تک پیدل آیا کرتے تھے جب درباری دیوان عام تک آتے تو یہاں لوہے کی ایک زنجیر تھی جس کے نیچے سے ہو کر انہیں گزرنا پڑتا تھا دیوان عام تک پالکی میں آنے کی اجازت کبھی کبھی بادشاہ شہزادوں کے علاوہ مخصوص امراء کو دیا کرتا تھا۔(5)

دیوان خاص کے مقابل لال پردہ کا دروازہ تھا۔ اس پر سرخ بانات کا پردہ پڑا رہتا تھا جو شخص بھی دربار میں شرکت کے لئے آتا اور دیوان خاص میں داخل ہونا چاہتا اس کے لئے ضروری تھا کہ لال پردہ کے پاس آکر مقررہ آداب بجا لائے۔ لال پردہ کے پاس غلام لال لکڑیاں لئے کھڑے رہتے تھے اور اگر غیر آدمی داخل ہونے کی کوشش کرتا تو یہ آنکڑے دار لکڑیاں اس کے گلے میں ڈال کر باہر نکال دیتے تھے۔ پردے کے پاس آداب بجا لانے کی ایک جگہ مقرر تھی "جسے سلام گاہ یا آداب گاہ" کہتے تھے اس پر کھڑے ہو کر دربار میں آنے والے کو تین مرتبہ مودبانہ سلام بجا لانا ہوتا تھا۔ پردے کے پاس جاتے وقت کوئی چیز ہمراہ لے جانے کی اجازت نہیں تھی۔

حتیٰ کہ چھتری بھی نہیں لے جا سکتے تھے' پردے کے اطراف میں ملازم' ناظر' خواجہ سرا اور فراش ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ نقیب کھڑا ہوا درباریوں کو آداب بجا لانے کی جانب متوجہ کرتا رہتا تھا اور پکارتا رہتا تھا "ملاحظہ آداب' آداب بجالاؤ جہاں پناہ بادشاہ سلامت' عالم پناہ بادشاہ سلامت"(6)

اس کے بعد درباری دیوان خاص کے چبوترے پر چڑھتا۔ یہاں اسے جوتے اتارنا پڑتے تھے۔ دیوان خاص میں ایک دوسری سلام گاہ تھی جہاں پہنچ کر اسے آداب بجا لانا ہوتے تھے یہاں بھی نقیب ہر آنے والے کو آداب کی جانب توجہ دلاتا رہتا تھا۔ (7)

دیوان خاص کے صحن میں شاہی اصطبل' گھوڑے' زیورات سے مزین کھڑے رہا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ماہی مراتب' چتر نشان روشن چوکی والے اور جھنڈے والے کھڑے رہا کرتے تھے۔ یہاں بھی نقیب اور یساول برابر آواز لگاتے رہتے تھے " خبردار ہو اللہ رسولؐ خبردار ہے اوہو" جب بادشاہ دربار میں تشریف لاتے تو ان کی آمد پر نقیب آواز لگاتا۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اللہ رسولؐ کی امان' دشمن پا ئمال' بلائیں رد"(8)بادشاہ کے تخت پر بیٹھنے پر جھنڈیاں ہلائی جاتیں اور شادیانے بجتے۔(9)

دربار میں شہزادوں اور امراء کی نشستوں اور ترتیب کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ تخت کے عقب میں خواص کھڑے ہو کر مگس رانی کیا کرتے تھے۔(10)ابتداء میں کسی کو دربار میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوا کرتی تھی' لیکن آخری عہد میں شہزادے' علماء و مشائخ کو یہ مراعت ملنے لگی۔(11)دوسرے امراء تخت کے دونوں جانب قطار میں خاموشی سے سر جھکائے اور ہاتھ باندھے کھڑے رہا کرتے تھے۔ دربار کے آداب میں سے تھا کہ مکمل خاموشی رہے' بلا اجازت کوئی نہ بولے براہ راست بادشاہ سے مخاطب نہ ہو۔

آخر دور میں بھی درباریوں کے لئے کورنش اور تسلیم کے وہ طریقے تھے جو ابتدائی دور میں تھے۔ کورنش میں درباری سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی کو پیشانی پر رکھ کر سر جھکاتا تھا۔ تسلیم میں سیدھے ہاتھ کو زمین پر رکھ کر اسے اٹھاتا اور سیدھا کھڑا ہو کر ہتھیلی سر پر رکھتا۔(12)

درباریوں کے لئے ایک رسم یہ بھی تھی کہ بادشاہ کو نذر پیش کریں' نذر پیش کرنا ایک شخص کی اعلیٰ شخصیت سے محبت کی علامت تھی۔ سب سے پہلے ولی عہد نذر پیش کرتا پھر شہزادے اور امراء کی نذر کی اشرفی یا روپیہ آستین یا رومال پر رکھ کر پیش کیا جاتا اور بادشاہ اس پر ہاتھ رکھ کر قبولیت بخشتا۔(13)نذر کے لئے ضروری تھا کہ اشرفی یا سکہ کسی متوفی بادشاہ کا نہ ہو' بلکہ تخت نشین بادشاہ کا ہو۔(14)

بادشاہ حسب مراتب ولی عہد' شہزادوں' امراء اور سفیروں کو دربار میں خلعت دیا کرتے تھے۔ یہ شاہی خلعت تین' پانچ' سات' گیارہ اور اکیس پارچہ جات پر مشتمل ہوتی تھی۔ یہ رسم تھی کہ خلعت پانے والا فوراً" ہی خلعت پہن کر بادشاہ کے حضور میں آتا اور اظہار تشکر کے طور پر آداب بجا لاتا' کبھی کبھی بادشاہ' شہزادوں یا معزز امیروں کے سر پر جیغہ اور سر پیچ باندھتے تھے۔ خلعت پانے والا اس اعزاز پر پھر آداب گاہ پر آتا اور آداب بجا لاتا تھا۔ خلعت پانے کی نذر دیتا اور الٹے پاؤں جا کر اپنی مقررہ جگہ پر کھڑا ہو جاتا تھا۔(15)دربار برخاست کرنے کی علامت یہ تھی کہ بادشاہ فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھاتا تھا۔(16)

حرم کی خواتین کے لئے علیحدہ سے دربار ہوا کرتا تھا۔ جہاں محل کی بیگمات اور شہزادیاں کپڑوں زیورات سے آراستہ تخت کے اردگرد بیٹھ جاتی تھیں۔ بزم آخر کے مصنف نے اس کی بڑی خوبصورت تصویر کھینچی ہے۔

> "بادشاہ تخت پر بیٹھے' خواجہ سرا مور چھل لے کر تخت کے برابر کھڑے ہو گئے پہلے ملکہ دوراں نے کھڑے ہو کر مجرا کی نذر دی' پھر مجرا کر کے بیٹھ گئیں۔ اب اور بیویوں اور شہزادیوں نے اسی طرح اپنے اپنے مرتبہ سے نذریں دیں بادشاہ نے سب کو بھاری بھاری دوپٹے حیثیت کے موافق اپنے ہاتھ سے دیئے سب نے کھڑے ہو ہو کر دوپٹے لئے' مجرا کیا' نذر دیں' اب ناچ گانا شروع ہو گیا"(17)

مرہٹہ گردی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے سیاسی اقتدار نے مغل بادشاہت کی رہی سہی ساکھ بھی ختم کر کے رکھ دی۔ سیاسی کمزوری اور مالی وسائل کی کمی نے دربار کی شان و شوکت گھٹا دی۔ اب بادشاہ کی جانب سے جو خلعت دیئے جاتے تھے وہ قیمتی

کپڑوں کے بجائے سستے کپڑوں سے تیار ہوتے تھے' ہیرے جواہرات کے بجائے اب رنگین شیشے یا بلوریں موتی دیئے جانے لگے۔ ہاتھیوں کے جلوس کے بجائے اب گھوڑوں یا اونٹوں کا جلوس نکلنے لگا۔ زوال کی علامتیں ہر شئے سے ظاہر ہو رہی تھیں ایک فرانسیسی ساح دماداوٴ نے شاہ عالم کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> "میں نے یہاں دربار عام کے جشن دیکھے ہیں ان میں کسی قسم کا تزک و احتشام نہیں بادشاہ' درباری اور محل کا ساز و سامان' انتہائی مفلسی اور ناداری کا پتہ دیتے ہیں...... نقری عصا برداروں کے بجائے جو دربار عام کے جشن کے دوران نظم و ضبط برقرار رکھتے تھے۔ تقریباً" ایک سو میلے کچیلے چیتھڑوں میں ملبوس افراد نظر آتے ہیں جن کے ہاتھوں میں موٹے موٹے ڈنڈے ہوتے ہیں جن کو وہ بادشاہ کے سامنے ہی آزادانہ دائیں بائیں گھماتے ہیں"(18)

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ابتداء میں مغل دربار کے آداب و رسومات کا خیال کیا۔ اس کے عہدیدار جب بھی دربار میں حاضر ہوتے تو ان آداب کو ادا کرتے۔ بادشاہ کی خدمت میں نذر پیش کرتے اور خلعت وصول کرتے' لیکن جیسے جیسے ان کا سیاسی اقتدار بڑھتا گیا انہوں نے دربار کے آداب و رسومات کی خلاف ورزی شروع کر دی مثلاً": پنج و تنہ نوبت بند کرا دی' نذر نیاز بند کر دی' ریزیڈنٹ نے لکھا کہ اسے بادشاہ کا " فرزند ارجمند" نہیں لکھا جائے' گورنر جنرل کی مہر سے "بادشاہ کا فدوی خاص" کے الفاظ نکال دیئے گئے' آخر میں بہادر شاہ ظفر سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ لال قلعہ چھوڑ دے۔

اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں لارڈ ہاسٹنگ' گورنر جنرل' دربار میں آنا چاہتا تھا لیکن آنے سے پہلے اس نے دو شرائط پیش کیں کہ: اسے دربار میں کرسی ملنی چاہئے اور اسے نذر دینے سے مستثنیٰ کیا جائے ابتداء میں بادشاہ ان شرائط کو ماننے پر تیار ہو گیا تھا' لیکن جب اس کی ماں نے اسے برا بھلا کہا تو اس نے گورنر جنرل کو یہ مراعات دینے سے انکار کر دیا۔ لارڈ ہاسٹنگ نے اس انتقام میں غازی الدین حیدر کو اودھ کا بادشاہ بنا کر مغل بادشاہ کے مد مقابل کھڑا کیا۔(19)

لیکن جب 1826ء میں لارڈ امہرسٹ دربار میں آیا تو دربار کے آداب میں تبدیلی کی گئی اور اسے تخت کے دائیں جانب کرسی دی گئی۔ اگرچہ اس نے کوئی نذر پیش نہیں کی لیکن بادشاہ کی جانب سے اسے جو تحفہ دیا گیا وہ اس نے قبول کیا۔(20)

مغل دربار کے آداب و رسومات پر کاری ضرب 1857ء کے ہنگاموں میں پڑی' جب قلعہ معلٰی پر باغی فوجیوں نے قبضہ کیا۔ یہ دربار کے آداب و رسومات سے نا واقف تھے اس لئے انہوں نے صدیوں کی قائم شدہ روایات کو قامال کیا۔ بہادر شاہ ظفر نے اس کا شکوہ ایک خط میں اس طرح کیا ہے:

"باغی سواروں نے فراش خانہ اور مہتاب باغ خالی نہیں کیا یہ وہ مقامات ہیں جن میں نہ نادر شاہ' نہ احمد شاہ اور نہ کوئی گورنر جنرل ہند گھوڑے پر سوار ہو کر اب تک آیا تھا....... جب برٹش گورنمنٹ کا کوئی اعلیٰ افسر قلعہ میں آتا تھا تو وہ دیوان عام کے دروازے پر گھوڑے سے اترتا تھا اور پیدل پھرتا تھا۔ لیکن یہ سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے دیوان خاص اور جلوخانے تک آتے ہیں جن کا لباس نا مناسب ہوتا ہے اور سر پر دستار نہیں ہوتی وہ شاہی آداب بجا لانا نہیں جانتے۔ دربار میں سپاہ کے افسر اپنے لباس کی پرواہ نہیں کرتے' سروں پر ٹوپیاں بجائے پگڑی کے ہوتی ہیں۔ انگریزی عمل داری میں اس کے کسی افسر نے ایسا نہیں کیا"

1857ء کے بعد جہاں مغلیہ بادشاہت کا خاتمہ ہوا اس کے ساتھ ہی درباری آداب و رسومات بھی ختم ہو گئیں۔ ان کے اثرات ہندوستانی ریاستوں کے درباروں اور وائسرائے ہند کے دربار میں کچھ باقی رہے اور کچھ زمینداروں اور جاگیرداروں نے اپنی مجلسوں میں باقی رکھا لیکن طبقاتی شعور اور سیاسی تبدیلیوں نے ان آداب و رسومات کو جو مطلق العنان بادشاہت اور طبقاتی معاشرے کی پیداوار تھیں آہستہ آہستہ ختم کر دیا۔

حوالے

-1

Jacquemont, V.:Letters from India. Vol II, Karachi. 1979. P.21.

2- سید احمد خاں: آثارالصنادید۔ کراچی 1966ء ص 36-

3- سید احمد خاں: مقالات سرسید: حصہ شانزدہم لاہور 1965ء ص 662-

-4

Orlich, L, Von.:Travels in India, Including Sind and the Punjab, Vol. II, London 1845. P.24.

5- غلام حسین طباطبائی: سیرالمتاخرین۔ (اردو ترجمہ) کراچی 1968ء ص :22

6- ظہیر دھلوی: داستان غدر: لاہور 1955ء ص: 36-37

مولوی عبدالقادر: علم و عمل _ حصہ اول (اردو ترجمہ) کراچی 1960ء ص: 209

آثارالصنادید _ ص _ 145_ بزم آخر ص: 36-37

7- داستان غدر: ص: 36-37

8- بزم آخر: ص: 38-39

9- ایضاً": ص: 39

10- داستان غدر: ص 37

11- علم و عمل: ص: 308

12- آئین اکبری: آئین نمبر71

13- علم و عمل: ص 309

داستان غدر: ص 37

بزم آخر: ص 40

14- ایضاً" ص: 210

15- بزم آخر: ص 39-40

علم و عمل: ص 210

16- بزم آخر ص: 40

17- ایضاً" ص: 40-41

18- بولیر، لوئی آنزی: شاہ عالم ثانی کے عہد کا دہلی دربار (اردو ترجمہ)
کراچی 1967ء ص: 141

19- کمال الدین حیدر: تواریخ اودھ _ لکھنؤ 1896ء ص-243

20- اسپئیر_ پی: ٹویلائٹ آف دی مغلز_ کیمبرج 1951ء ص- 45-46

21- محمد میاں: علماء ہند کا شاندار ماضی _ جلد 4 دہلی 1960 ص 134-135

ساتواں باب

مغلیہ امراء

امراء کا طبقہ نظام بادشاہت میں سلطنت کا ایک اہم ستون ہوا کرتا تھا اس لئے بادشاہ اس طبقہ کی وفاداری برقرار رکھنے کے لئے انہیں زیادہ سے زیادہ مراعات دیا کرتا تھا جن میں جاگیریں' اعلیٰ عہدے' پروقار خطابات' تحفہ تحائف اور سیاسی و سماجی مراعات ہوا کرتی تھیں۔

امراء کا تاریخ میں یہ کردار رہا کہ جب تک بادشاہ با صلاحیت اور طاقتور رہے انہوں نے حکومت کے اداروں پر اپنی گرفت مضبوط رکھی اور امراء کو اپنے زیر اثر رکھا۔ لیکن جب بادشاہت کے ادارے میں کمزوری کے آثار پیدا ہوئے تو امراء کے طبقہ نے سازشوں اور جوڑ توڑ کے ذریعے بادشاہ کو محض کٹھ پتلی بنا کر اقتدار خود حاصل کر لیا۔

ہندوستان میں مغل خاندان کی تاریخ سے یہ پہلو واضح ہو کر سامنے آتا ہے کہ بابر سے عالمگیر تک امراء بادشاہ کے ماتحت رہے۔ لیکن اس کے بعد امراء نے آہستہ آہستہ طاقت حاصل کی' یہاں تک کہ سید برادران نے فرخ سیر کو اپنا آلہ کار بنا کر رکھ دیا۔ اس واقعہ نے امراء کے طبقہ میں اقتدار کی خواہش کو جنم دیا اور اس بات کی کوشش کی کہ اس شہزادے کو تخت پر بٹھائیں جس میں کوئی ذہانت اور صلاحیت نہ ہو' اس کے نتیجہ میں جتنے مغل بادشاہ تخت نشین ہوئے وہ ذہنی لحاظ سے انتہائی پس ماندہ تھے۔

امراء کی اقتدار کی جنگ میں جب ایک گروہ کامیاب ہو جاتا تھا تو اس کی یہ کوشش ہوتی کہ اپنے مخالف امراء کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دے۔ اس لئے قتل' قید و بند جائیداد کی ضبطی اور جلا وطنی وہ ہتھیار تھے جو ہر خانہ جنگی کے بعد مخالفین کے خلاف استعمال ہوئے اس سے انتقام کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا' ایک

کے بعد ایک گروہ آتا اور اپنے مخالفین کو ختم کرنے کی کوشش کرتا' اس صورت حال نے سیاسی و سماجی سطح پر غیر یقینی اور بے ثباتی کو پیدا کیا جس کا انسانی فطرت پر اثر پڑا اور معاشرے سے رحم' ہمدردی' نرمی' عفو اور درگزر کے تمام جذبات ختم ہو گئے۔ اس کی مثال ایک واقعہ سے ملتی ہے:

عظیم الشان کا بیٹا شہزادہ کریم' خانہ جنگی کے بعد گرفتار ہو کر آیا' یہ تین دن سے بھوکا تھا' اس نے روتے ہوئے کچھ کھانے کو مانگا' لیکن کسی نے اس کی بات نہ سنی اور بے دردی سے اسے قتل کر دیا۔(1)اس کے کچھ عرصہ بعد ذوالفقار خاں پر یہی بیتی' فرخ سیر کی کامیابی کے بعد اسے قتل کیا گیا اور اس کی لاش کو ہاتھی کی دم سے باندھ کر شہر میں گھمایا گیا۔(2)ان حالات میں معاشرے سے انسانی جذبات ختم ہو گئے اور اس کی جگہ کمینگی و خود غرضی نے لے لی۔

سلطنت میں اقتدار حاصل کرنے' اعلیٰ عہدے لینے شاندار خطابات حاصل کرنے اور بیش قیمت وظائف اور تحفے بٹورنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس شخص میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ بادشاہ کی خوشامد اور چاپلوسی کر سکے اور بادشاہ کی اخلاقی کمزوریوں سے پورا پورا فائدہ اٹھائے اگر بادشاہ عورتوں کا شائق ہے تو اس کے لئے عورتیں حاصل کرے اگر وہ شراب اور افیم کا دلدادہ ہے تو اس کا ساتھ دے اگر موسیقی کا رسیا ہے تو اس کے لئے مشہور موسیقاروں کو اکٹھا کر کے اسے محظوظ کرے اور اگر وہ لطیفوں کا شوقین ہے تو بھانڈوں اور لطیفہ گوؤں کو جمع کرے اور اس طرح بادشاہ کو خوش کر کے اپنے لئے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرے مثلاً" شاہ عالم کے وزیر حسام الدولہ نے اس کے لئے ملک بھر کی خوبصورت عورتیں جمع کیں اور اسی خوبی کی بنا پر اسے اقتدار ملا ورنہ اس شخص میں نہ قابلیت تھی نہ ذہانت اور نہ تعلیم۔
(3)

(1)

آخری عہد مغلیہ کی سب سے اہم خصوصیت ان کا حصول دولت کے لئے جدوجہد کرنا تھا۔ اس ذہنیت کے پس منظر میں اس وقت کی سیاسی صورت حال کو بڑا

دخل تھا۔ ملک میں عدم استحکام' غیر یقینی صورت حال اور امن و امان کی غیر موجودگی وہ عناصر تھے جنہوں نے پورے معاشرے کو متاثر کیا۔ امراء کا طبقہ ان حالات سے خاص طور سے متاثر ہوا۔ اس لئے وہ معاشرہ جہاں معاشی تحفظ نہ ہو اس میں یقیناً" اس بات کی طرف رجحان بڑھتا ہے کہ ہر جائز و ناجائز طریقہ سے دولت اکٹھی کی جائے۔

آخری عہد مغلیہ میں یہ صورت حال تھی کہ زمیندار و کسان حکومت کو ٹیکس ادا نہیں کرتے تھے' ان سے ٹیکس لینے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ فوج کی قوت سے انہیں مرعوب کیا جائے اس لئے اس کا یہ حل نکالا گیا کہ بادشاہ اپنی خالصہ کی زمین اور امراء جو دربار چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے' وہ اپنی جاگیریں ٹھیکے پر دے دیتے تھے۔ ٹھیکہ لینے والے وہ امیر ہوتے تھے جو اپنی نجی فوج رکھتے تھے۔ یہ اپنی فوج کے ذریعے بغاوتوں کو ختم کر کے ٹیکس وصول کرتے' اپنا حصہ خود رکھتے اور باقی مالکان کو ادا کرتے' اس قسم کی ٹھیکہ داری کے کئی نتائج نکلے۔ جو امیر ٹھیکہ لیتا تھا وہ پہلے سے آمدنی کا اندازہ لگا لیتا تھا۔ لہٰذا ٹیکس کی وصولیابی میں وہ ہر طاقت کو استعمال کرتا تھا۔ اسے ہر قسم کے اختیار حاصل تھے جن میں کسانوں کو قتل کرنے تک کا حق ہوا کرتا تھا۔ اس کے کارندے انتہائی سختی اور ظلم کے ساتھ کسانوں سے ایک ایک پیسہ وصول کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے پاس کھانے تک کو کچھ نہیں چھوڑتے تھے اس صورت حال کی وجہ سے گاؤں کے گاؤں ویران ہو گئے کھیتاں اجڑ گئیں اور کسان کارندوں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر گاؤں چھوڑ کر جنگلوں میں چلے گئے۔

سلطنت کے اعلیٰ عہدے داروں کو وقت پر تنخواہ نہیں ملتی تھی سالوں کی چڑھی ہوئی تنخواہ کبھی کبھی تھوڑی بہت مل جاتی تھی' لہٰذا یہ عہدے دار ناجائز طریقوں سے دولت کے حصول کے لئے کوشاں رہتے تھے' رشوت اور نذر لینے کا عام رواج تھا اس کے بغیر کسی کا کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ وہ امراء جو بادشاہ کے زیادہ قریب ہوتے تھے وہ بھاری رشوتیں لے کر لوگوں کی سفارش کرتے تھے' محمد شاہ کے زمانہ میں اس کی رضاعی بہن کا یہ دستور تھا کہ لوگوں سے پیشکش اور نذر لے کر سفارش کرتی' اس طرح اس نے بہت دولت اکٹھی کر لی تھی۔(4)

اس کے علاوہ دولت کے حصول کے دوسرے ذرائع یہ تھے : عوام کی املاک پر زبردستی قبضہ کر لیا جاتا تھا' شہر کے تاجروں اور مہاجنوں سے روپیہ قرض لے کر ادا نہیں کیا جاتا تھا۔ معتوب امراء کی جائیداد و مال و دولت کو غصب کیا جاتا تھا۔ سید برادران' حسین علی خان و سید عبداللہ کا یہ مشغلہ تھا کہ وہ معتوب امراء کی املاک ضبط کر لیتے تھے۔ فرخ سیر کے قتل کے بعد دونوں بھائیوں نے بادشاہی خزانہ سے مرصع آلات اور ہاتھی گھوڑے آپس میں تقسیم کر لئے۔ سید عبداللہ عیاش آدمی تھے اس نے شاہی بیگمات میں سے دو تین حسین عورتوں کو بھی پسند کر کے اپنے حرم میں بھیج دیا۔(5) نیکوسیر کی بغاوت کے بعد جب اکبر آباد پر قبضہ ہوا تو وہاں تین چار سو سال پرانا خزانہ جمع تھا اس میں نور جہاں اور ممتاز محل کا اسباب خاص اہمیت رکھتا تھا۔ اس کی مالیت تقریباً" تین کروڑ روپیہ تھی اس میں مروارید کی وہ چادر بھی تھی جو شاہ جہان نے ممتاز محل کی قبر پر چڑھانے کے لئے تیار کرائی تھی نور جہاں کی ایجاد کردہ چق کا جوڑہ تھا جسے سونے چاندی کے تاروں سے قیمتی مروارید سے پرو کر تیار کرایا تھا۔ اس تمام خزانہ پر حسین علی خاں نے قبضہ کر لیا۔(6)

شاہان مغلیہ میں یہ دستور تھا کہ امیر کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد اور مال بحق سرکار ضبط کر لیا جاتا تھا۔ ابتدائی زمانہ میں بادشاہ قیمتی سامان' مثلاً" ہیرے جواہرات و ہاتھی اور حویلی ضبط کر لیتا تھا اور باقی اس کے متوسلین کے لئے چھوڑ دیتا تھا۔ آخری دور میں جب بادشاہ کمزور ہوا تو ضبطی کی یہ جائیداد با اقتدار امراء میں تقسیم ہو جاتی تھی اور اگر مرنے والے کے متوسلین طاقت ور ہوتے تھے تو وہ جائیداد کی ضبطی وجود ہی میں نہیں آنے دیتے تھے ضبطی کے ان قوانین کا یہ اثر ہوا کہ امراء ہیرے' جواہرات اور اشرفیاں محفوظ مقام پر دفن کرنے لگے تاکہ ان کے خزانہ کی حفاظت ہو سکے۔ لیکن اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ معتوب یا متوفی امراء کے اہل خانہ ملازمین اور متوسلین کو سخت ایذائیں دی جاتی تھیں اور ان سے پوشیدہ دولت کے بارے میں معلومات کی جاتی تھیں۔ یہ ایک ایسا عمل تھا جو بار بار دہرایا گیا مثلاً" سید برادران نے اعتقاد خاں کو قید کر کے اسے اذیتیں دیں یہی سلوک انہوں نے شائستہ خاں کے بیٹوں کے ساتھ کیا۔(7)

جہاندار شاہ کی شکست کے بعد جب فرخ سیر بادشاہ ہوا' تو مخالف امراء کی حویلیاں ضبط ہوئیں اور اسے حمایتی امراء میں تقسیم کیا گیا۔(8)جائیداد کی ضبطی کا یہ قانون ہندوستان کی ریاستوں میں بھی جاری تھا۔ یہاں کی صورت یہ تھی کہ جب تک نواب یا راجہ خوش ہے امراء جائز و ناجائز طریقہ سے دولت اکٹھی کرتے تھے لیکن اس کی ذرا سی ناراضگی سے دولت و جائیداد سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔(9)اودھ کی تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جبکہ امراء کو اندھا کرایا گیا' ان کی جائیداد ضبط کی گئی اور انہیں ذلیل و خوار کیا گیا۔(10)حیدر آباد دکن کی ریاست میں نظام علی خاں تک یہ تیموری رسم رائج تھی کہ مرنے والے کا مال ضبط ہوتا تھا اور تین دن بعد اس کے جانشین کو بلا کر ماتمی خلعت دیا جاتا تھا۔ نواب اس سے کہتے تھے کہ تیرے باپ کا مال سرکار کا مال تھا۔ اس لئے وہ داخل سرکار ہوا' اب آئندہ سے تیری وجہ معاش جاری ہوتی ہے تو اس سے اپنے متوسلین کی پرورش کرنا۔(11)

لہٰذا آخری عہد مغلیہ میں صورت حال یہ تھی کہ: ایک طرف امراء کو کھلی چھٹی تھی کہ وہ اپنی جاگیر سے خوب ٹیکس وصول کریں' اپنے عہدے و منصب سے فائدہ اٹھا کر رشوت نذر اور تحائف قبول کریں مخالف امراء کی جائیدادوں پر قبضہ کریں اور لوگوں کے مال و املاک کو جی بھر کر لوٹیں۔ لیکن ساتھ ہی انہیں یہ خطرہ تھا کہ ان کے معتوب ہونے یا مرنے کے بعد ان کی جمع شدہ دولت ضبط ہو جائے گی۔ اس لئے ہم طبقہ امرا میں چار رجحانات دیکھتے ہیں:

اول یہ کہ جو مال و دولت انہوں نے اکٹھا کیا ہے اس کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں لہٰذا اسے دل کھول کر خرچ کرنا چاہئے۔ اس لئے دولت کا استعمال عیاشی' لہو و لعب شادی بیاہ کی تقریبات' دعوتوں' لباس و پوشاک اور تفریحات و مشاغل پر ہونے لگا۔ تاریخ میں ان کے اسراف کے قصے بھرے پڑے ہیں۔

دوم' چونکہ انہوں نے دولت ناجائز طریقوں سے جمع کی تھی جس کی وجہ سے ان کے ظلم و ستم کے واقعات لوگوں میں مشہور ہو گئے تھے لہٰذا اپنی شخصیت کو نیک نام بنانے کے لئے انہوں نے فیاضی و سخاوت کے مظاہرے کئے۔ غریبوں کے لئے لنگر پکوانا' فقیروں کو خیرات دینا' راستے میں لوگوں پر پیسے پھینکنا' اس ذہنیت کی عکاسی کرنا

ہے۔

سوم' اپنے ضمیر کی تسکین (جو شائد ان کے مظالم کے نتیجہ میں انہیں پریشان کرتا ہو) اور اپنی آخرت سدھارنے کے لئے مذہبی امور پر روپیہ خرچ کرتے تھے' جس میں مسجدوں و امام باڑوں کی تعمیر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کے علاوہ نذر و نیاز' فاتحہ' قبروں پر جانا مکہ و مدینہ و کربلا و نجف شریف میں عطیات بھیجنا عام دستور تھا۔

چہارم' اپنی شخصیت کو دوامی اور جاودانی بنانے کے لئے مقبرے' باغات سرائے پل اور محلات کی تعمیر۔

شاہ عالم کے زمانہ میں اس کے طاقتور امیر' خان خاناں نے چاہا کہ ہر شہر میں اپنے نام سے ایک سرائے' مسجد اور خانقاہ تعمیر کرائے چنانچہ اس نے ہر جگہ حکام کو لکھا کہ اس مقصد کے لئے زمین خریدی جائے' حکام نے اس کی خوشنودی کے لئے' لوگوں سے زبردستی زمین اور مکانات لئے ابھی یہ عمارات مکمل نہیں ہوئی تھیں کہ خان خاناں کا انتقال ہو گیا اور اہل کار جو خوشامد میں تعمیرات کرا رہے تھے انہوں نے انہیں اسی طرح چھوڑ دیا اور یہ ویرانی پڑی باعث عبرت بنی رہیں۔(12)

ایک مثالی امیر کا کردار جو اس معاشرے میں نظر آتا ہے وہ راجہ چندر لال کا ہے جو 1831ء میں حیدر آباد کی ریاست میں دارالمہام تھے اس حیثیت میں انہوں نے لاکھوں روپیہ کمائے اور پھر انہیں بڑی فیاضی سے خرچ کیا۔

"ان کا دستور تھا کہ روز دوشالے اور رومال لوگوں میں تقسیم کرتے تھے دسہرے پر ہزار سے زیادہ جوڑے ضرورت مندوں کو دیتے تھے۔ پیروں فقیروں اور جوگیوں کو دل کھول کر خیرات دیتے تھے یومیہ خوروں کا روزینہ دو ہزار سے زیادہ تھا۔ دوشنبہ کو مسافروں کو دو تین ہزار روپے دیتے تھے۔ نواب اور شہزادوں کی دعوت پر لاکھوں خرچ کرتے تھے۔ ان کے باورچی خانے سے ہزاروں کو کھانا ملتا تھا حکیموں شاعروں' مرثیہ خوانوں اور ارباب نشاط طرب کو ہزاروں بصورت انعام دیا کرتے تھے"(13)

ایک ایسے نظام حکومت اور معاشرے میں جہاں قابلیت اور صلاحیت کی کوئی پوچھ نہیں تھی اور جہاں ترقی و کامیابی کے لئے خوشامدو چاپلوسی کی ضرورت تھی وہاں سازش اور جوڑ توڑ کے ذریعے مقصد کا حصول ہوتا تھا۔ امراء اپنی حیثیت کو سازشوں کی بنیاد پر قائم کئے ہوئے تھے۔ ہر جماعت و گروہ اپنے اقتدار کو قائم رکھنے اور حریفوں کو زک پہنچانے کے لئے برابر سازشوں کے تانے بانے بنتے رہتے تھے۔ امراء اپنے مخالفین کو ختم کرنے کے لئے ہر قسم کے حربے استعمال کرتے تھے۔ مثلاً: محاسبہ کرانا' قرض خواہوں سے نالش کرانا' جاگیرو جائیداد ضبط کرانا' شہر سے اخراج' ملازمت سے برطرفی اور وظیفہ کی منسوخی اور اگر اس سے زیادہ سزا دلوانی ہوتی تھی تو ہاتھ پیر کاٹنا' زبان کھینچنا' اندھا کرنا' ہاتھی کے پیروں تلے کچلوانا' تسمہ سے گلہ گھونٹنا' قید کی حالت میں نمک کا کھانا دینا اور شہر میں تشہیر کرانا عام سزائیں تھیں۔

اس سازشی ماحول کا یہ نتیجہ تھا کہ امرائے سلطنت دشمنوں اور باغیوں کے خلاف کسی مہم پر جانا نہیں چاہتے تھے کیونکہ انہیں اندیشہ رہتا تھا کہ ان کی غیر موجودگی میں ان کے مخالفین ان کا قلع قمع کردیں گے۔ اسی سازشی ماحول کی وجہ سے یہ امراء اپنی جاگیروں پر بھی نہیں جاتے تھے جس کی وجہ سے جاگیروں کا انتظام ان کے نائب کیا کرتے تھے۔

مخالفت اور دشمنی کے جذبات امراء کے گروہوں میں اس قدر ہو گئے تھے کہ اگر انہیں اقتدار نہیں ملتا تھا تو ان کی کوشش ہوتی تھی کہ ان کے حریفوں کو بھی اقتدار نہ ملے۔ مثلاً نادر شاہ کے حملہ کے وقت سعادت خاں برہان الملک کو امیر الامراء کا عہدہ نہیں ملا تو اس نے نادر شاہ کو دہلی پر قبضہ کرنے اور شاہی خزانہ و امراء کی دولت لوٹنے پر اکسایا جس کی وجہ سے مغل بادشاہوں کا صدیوں کا جمع شدہ خزانہ نادر شاہ کے ہاتھ لگا۔(14)

یہ اسی سازشی ماحول کا نتیجہ تھا کہ سلطنت کو پیش آنے والے خطرات اور مسائل سے نمٹنے کے بجائے ان کی صلاحیتیں اس بات پر صرف ہوتی تھیں کہ اپنے اقتدار کو کس طرح بچائیں اور اپنے حریفوں کو کس طرح نقصان پہنچائیں۔ امراء نے اپنی ذاتی مفادات کی خاطر مرہٹوں' جاٹوں' سکھوں اور انگریزوں کا ساتھ دیا۔ 1857ء

میں جبکہ دہلی کا محاصرہ جاری تھا اور انگریزوں سے جنگ ہو رہی تھی اس وقت بھی دربار کے کچھ امراء انگریزوں کو خبریں پہنچاتے رہے تھے۔

(3)

امراء کا طبقہ خود کو قانون سے بالاتر سمجھتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے جرائم کی سزا دینے والی کوئی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ یہ اگر کسی کو قتل کرا دیتے تب بھی ان کے خلاف کوئی قانون چارہ جوئی نہیں ہوتی تھی۔ مثلاً" صفدر بیگ نے' جاوید خاں خواجہ سرا' جو احمد شاہ کے قریبی مصاحبوں میں سے تھا' دعوت میں بلا کر قتل کرا دیا' بادشاہ اس عمل سے ناخوش تو بہت ہوا' مگر کمزور ہونے کی وجہ سے کوئی عملی اقدام نہ کر سکا۔(15)

قانون سے بالاتری کا یہ تصور تھا کہ امراء اپنے اپنے علاقوں اور جاگیروں میں قطعی خودمختار ہو کر اپنی من مانی کارروائیاں کرتے تھے: لوگوں کو قتل کرانا' سزائیں دینا' زمینوں پر قبضہ کرنا اور خوبصورت عورتوں کو اغواء کرنا' عام باتیں تھیں۔ شجاع الدولہ اودھ کے نواب وزیر کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک کھتری عورت کو زبردستی اٹھوا کر منگوایا اس کی عصمت دری کی اور پھر اسے محل سے نکال دیا۔ کھتری برادری کے احتجاج کے باوجود ان کے خلاف کچھ نہیں ہوا' کیونکہ وہ اپنے علاقے کے خودمختار حکمران تھے۔(16)

(4)

امراء کا طبقہ خود کو عوام سے ممتاز رکھنے کی خاطر اپنے لئے مخصوص علامات اور نشانات رکھتا تھا۔ مثلاً" اسے بادشاہ کی جانب سے شاندار اور پروقار خطابات ملا کرتے تھے۔ مثلاً" : خان' بہادر' ملک' دولہ اور جنگ پر ختم ہونے والے خطابات یہ خطاب اگرچہ شاندار اور باوقار ہوتے تھے مگر ان کا حال ان اوصاف سے خالی ہوتا تھا' خان' بہادر اور جنگ کے خطابات وہ رکھتے تھے جن کا جنگ' بہادری اور شجاعت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا تھا۔ اعتماد الدولہ و امین الدولہ کے خطابات وہ رکھتے تھے جو سلطنت کی بیخ کنی میں سب سے زیادہ سرگرم ہوتے تھے۔ یہ شاندار خطابات ان کی کھوکھلی

شخصیت اور محرومی کی عکاسی کرتے تھے۔ جس قدر مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہوتی چلی گئی' اس قدر یہ خطابات بھی شاندار ہوتے چلے گئے' لیکن خطابات کے لفظی معنی ان کی شخصیت میں کوئی اوصاف پیدا نہیں کر سکے۔

خطابات کے علاوہ یہ امراء اپنی شان و شوکت اور برتری کے لئے اپنی پوشاک پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ سرپیچ' جیغہ اور عقاب کی کلغی ان کی پگڑی میں ہوتی تھی' ریشمی و قیمتی لباس میں ملبوس ہوتے تھے۔ باہر نکلتے تو یا تو ہاتھی پر سوار ہوتے یا جھالر دار پالکی میں۔ ان کے جلو میں ملازمین کی ایک فوج ہوتی' جو ماہی مراتب' نوبت' چتر اور علم لے کر ان کی سواری کے آگے آگے چلتے تھے ان کی سواری کی شان و شوکت اور ملازمین کی تعداد سے ان کی سماجی حیثیت کا تعین ہوتا تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ ان کے ملازمین اکثر اپنی تنخواہوں سے محروم رہتے تھے۔

(5)

اپنی معاشرتی زندگی میں یہ امراء مجلسی آداب کے ذریعے طبقاتی تقسیم کو برقرار رکھتے تھے۔ اس زمانہ کے مجلسی آداب سے معاشرہ کی طبقاتی تقسیم کا اظہار ہوتا ہے۔ معاشرہ صرف امراء اور عوام ہی میں منقسم نہیں ہوتا بلکہ امراء بھی مختلف درجوں اور طبقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ لہٰذا ملاقات کے وقت یہ امراء طبقاتی امتیاز کا خیال رکھتے تھے۔ امراء جب ملاقات کے لئے جاتے تھے تو اپنے ہمراہ اپنے دوستوں' ساتھیوں اور ملازمین کو لے کر چلتے تھے لیکن خلوت میں مخصوص ساتھیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ دوسرے لوگ ڈیوڑھی پر انتظار کرتے تھے۔

اگر کوئی امیر کسی کے گھر جاتا تھا تو اس کے استقبال میں اس کے مرتبہ کا خیال رکھا جاتا تھا اگر وہ ہم مرتبہ ہوتا تو میزبان کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرتا۔ اگر مرتبہ میں بڑا ہوتا تو گھر سے باہر آکر اس کا استقبال کرتا۔ ورنہ مسند پر بیٹھا رہتا۔ ہم مرتبہ اور بڑے رتبہ کے امراء سے ملاقات کے وقت دونوں ہاتھ پھیلا کر گلے لگانے' پیشانی پر بوسہ دینے' معانقہ کرنے اور بغل گیر ہونے کا عام رواج تھا۔ مہمان کا ہاتھ پکڑ کر مسند تک لے جانا اخلاق میں شامل تھا اگر زیادہ عزت دینی ہو تو مہمان کو اپنے دائیں

جانب بٹھاتے تھے۔ ان میں جو مرتبہ میں بڑا ہوتا اس کو دوسرا نذر دیتا۔ محبت و برادرانہ تعلقات کے اظہار کا ایک ذریعہ یہ تھا کہ دستار بدل لیتے تھے اور پگڑی بدل بھائی کہلاتے تھے۔ اگر راستہ میں ایک دوسرے سے ملتے تو سلام و آداب کرتے' اگر مرتبہ میں کوئی بڑا ہوتا تو دوسرا سواری سے اتر کر سلام کرتا۔

(6)

اس مختصر سے مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آخری عہد مغلیہ کے امراء سیاسی و سماجی اور مذہبی اثرات کے تحت متضاد اوصاف اور خصوصیات کے حامل تھے۔ وہ ہر حالت میں اپنی شخصیت کی اہمیت کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے اگر ان پر کوئی احسان کرے تو اس کا بدلہ ضرور دیتے تھے تاکہ کسی موقع پر ان کی نگاہیں نیچی نہ رہیں۔ اگر وہ کسی کو پسند نہ کریں تب بھی ظاہری طور پر اس سے خلوص و محبت کا اظہار کرتے تھے۔ ایک طرف وہ اپنی رعیت کے لئے نہایت ظالم تھے تو دوسری طرف فیاضی و سخاوت میں بڑھے ہوئے تھے' ایک طرف عیاشی و لہو و لعب میں مصروف تھے تو دوسری طرف مذہبی امور میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ جہاں اپنی آسائش کے لئے محلات و باغات اور بارہ دریاں تعمیر کراتے تھے وہاں دینی جذبہ کے اظہار کے طور پر مسجدیں' خانقاہیں اور امام باڑے بھی بنواتے تھے' اس نے اس طبقہ کی ذہنیت کو منافقانہ بنا دیا تھا۔

حوالے

1- ولیم اروِن: لیٹر مغلز: حصہ اول - کلکتہ' 1922ء - ص 190

2- خافی خاں: حصہ چہارم' ص 180-182

3- لوئی آنری پولیر: ص 52

4- شاہنواز خاں: ماثرالامراء - حصہ دوم (اردو ترجمہ) لاہور 1969ء ص 338

5- منتخب اللباب (چہارم) ص 271

6- ایضاً": ص 271

7- ایضاً": ص 267

8- ولیم ارون: (حصہ اول) ص 284

9- کمال الدین حیدر: (حصہ اول) ص 79-80

10- ایضاً": ص 294

11- نجم الغنی خاں: تاریخ ریاست حیدر آباد دکن لکھنؤ 1896ء ص 277-278

12- منتخب اللباب (حصہ چہارم) ص 123-124

13- تاریخ ریاست حیدر آباد دکن - ص - 277-278

14- نجم الغنی: تاریخ اودھ - حصہ اول - لکھنؤ 1919ء ص 58

15- تاریخ اودھ (حصہ سوم) ص 270-271

16- کمال الدین حیدر: (حصہ اول) ص 52

آٹھواں باب

جاگیردارانہ ثقافت

ہندوستان میں مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت میں حکمران طبقہ جو ملک کے ذرائع پیداوار پر قابض تھا' اسے اپنی سیاسی حیثیت مستحکم کرنے کے لئے مسلسل جنگ و جدل اور لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ اس لئے انہیں فرصت کے زیادہ لمحات میسر نہیں آئے کہ وہ ثقافتی ترقی میں زیادہ حصہ لیتے لیکن جیسے جیسے حکومت کو استحکام ملتا گیا حکمران طبقہ اپنی ذمہ داریاں اپنے ملازمین پر ڈالتا گیا' اس مرحلہ پر اس طبقہ میں ایک ایسی ثقافت کی بنیاد پڑی جو صرف یہی طبقہ دولت کے سہارے پیدا کر سکتا تھا۔ سلطنت کے زوال کے ساتھ ساتھ اس ثقافت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا اور جب انگریز اس ملک پر قابض ہوئے تو انہوں نے یہاں کے حکمرانوں کو محلات میں رکھ کر ان کے وظیفے اور پنشن مقرر کر دیں جس کی وجہ سے اس طبقہ کی حکومتی ذمہ داریاں بالکل ہی ختم ہو گئیں۔ صورت حال یہ ہو گئی کہ ان کے پاس دولت تھی' جائیدادیں تھیں' گزارے کے لئے وظیفے اور وثیقے تھے' لیکن ساتھ ہی میں ان کے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا' اس لئے اس فرصت کے وقت کو گزارنے کے لئے انہوں نے اور خصوصیت سے اس طبقہ کی عورتوں نے نت نئے تہواروں' تقریبوں' رسموں' کھیلوں اور مشغلوں کی ابتداء کی جنہوں نے آگے چل کر ہماری روز مرہ کی زندگی میں انتہائی اہمیت اختیار کر لی۔ ان تقریبوں اور رسموں کے ساتھ ساتھ لباس' غذا' مجلسی آداب' طرز تعمیر اور زندگی کے دوسرے پہلوؤں اور شعبوں میں بھی تبدیلیاں آئیں۔ اس طبقہ کے مردوں نے اپنے محلات اور کوٹھیوں کے باہر وقت گزاری کے لئے نت نئے کھیل اور تفریح کے نئے طریقے ایجاد کئے جو آگے چل کر ہماری ثقافت کا اہم حصہ بن گئے اس طبقہ نے اپنے فرصت کے اوقات اور اپنی دولت کو تخلیقی کاموں میں صرف نہیں کیا' انہوں نے نہ تو علم و ادب میں ترقی کی اور نہ صنعت و حرفت میں یہ طبقہ اس بات پر یقین رکھتا

تھا کہ وہ معاشرے کے سربرآوردہ اور افضل لوگ ہیں' ان کی فضیلت نہ علم سے ہے اور نہ ہنر سے بلکہ اس کی وجہ ان کا خاندان اور دولت ہے اور دولت سے وہ بڑے سے بڑے عالم اور فنکار کو خرید سکتے ہیں۔ اس لئے جو چیز خریدی جاسکتی ہو اسے حاصل کرنے کے لئے بلا وجہ محنت و مشقت کی کیا ضرورت ہے۔ اس نظریہ کے تحت انہوں نے اپنے درباروں میں شاعر' ادیب' موسیقار' مصور' پہلوان اور باورچی اس طرح جمع کئے جیسے قیمتی ہیرے جواہرات اور نادر اشیاء جمع کئے جاتے تھے۔

اس لئے اس دور میں جو ادب تخلیق ہوا' یا جو فن پیدا ہوا وہ اس طبقہ کی خوشنودی کی غرض سے پیدا ہوا یہ درباری شاعر ہوں یا مصور یا باورچی وہ اس طبقہ کی جسمانی و ذہنی عیاشی کی خاطر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔

جاگیردار طبقہ کی اس معاشرتی و سماجی زندگی کی روایات کے پس منظر میں سب سے اہم عنصر ان کی معاشی و اقتصادی خوش حالی تھا۔ اس لئے تقریبات' رسومات' تفریحات اور تہواروں میں یہ اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ وہ زیادہ سے زیادہ پر تکلف ہوں تاکہ ان کی امارت اور دولت کا اظہار ہوا اور وہ معاشرے کے دوسرے افراد کو اپنی شان و شوکت سے متاثر کر سکیں۔ یہ وہ ذہنیت تھی جس نے اس طبقہ میں بے جا اصراف اور نام و نمود کی خواہش کو جنم دیا۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں دولت کی تقسیم غیر مساوی ہو اور ایک طبقہ کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ دولت ہو وہاں یہ توقع کرنا کہ اس معاشرے میں سادگی پیدا ہو سکے ایک نا ممکن چیز ہو گی کیونکہ سادگی صرف اسی معاشرے میں ایک قابل قدر جذبہ اور روایت بن سکتی ہے جہاں دولت کی مساوی تقسیم ہو اور کسی ایک طبقہ کے پاس اس کی ضرورت سے زائد دولت نہ ہو۔

اس جاگیردار دور کی ثقافت کے اہم بنیادی عنصر نام و نمود کی خواہش تھی اپنی زندگی کو پر آسائش بنانے کے لئے انہوں نے لا تعداد ملازم رکھے ہوئے تھے۔ ہر رئیس کے پاس باورچی خانہ' آبدار خانہ' بھنڈی خانہ (حقہ کے لئے) اور خوشبو خانہ وغیرہ کے علیحدہ علیحدہ کارخانے ہوتے تھے۔ جہاں ماہر اور تجربہ کار لوگ ملازم رکھے جاتے تھے اور کوشش ہوتی تھی کہ ان کے ملازمین اپنے فن میں دوسروں سے منفرد

اور برتر ہوں' جس کا مظاہرہ یہ اپنے طبقہ کے ساتھیوں میں وقتاً" فوقتاً" کرتے تھے۔ اس لئے معاشرے کے ذہین افراد نے اپنی ذہنی صلاحیتوں کا رخ اس طرف پھیر دیا کہ بٹیریں کیسے لڑائی جائیں؟ کبوتر کیسے اڑائے جائیں اور لذیذ کھانے کیسے پکائے جائیں؟ معاشرے کی بہترین ذہانت ان مشغلوں کی نذر ہو گئی جو جاگیردار طبقہ کے لئے وقت گزاری اور جسمانی عیاشی کے لئے تھے یہ اپنے لباس' غذا اور پالتو جانوروں پر لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ کرتے تھے۔

(1)

یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ ایسے مواقعوں کی تلاش میں ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے خاندان رشتہ داروں اور دوست و احباب کے ساتھ جمع ہو کر کچھ وقت تفریح اور خوش گپیوں میں گزارے لیکن اگر معاشرے میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو کسی قسم کی محنت و مشقت نہیں کرتا ہو اور جس کے پاس دولت بھی ہو تو پھر وہ ایسی تقریبوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے ہیں اور انہیں اس اہتمام سے مناتے ہیں جو اس سے پہلے موجود نہیں تھیں۔

چنانچہ اس طبقہ میں یہ تقریبات بچہ کی پیدائش سے شروع ہوتی تھیں اور زندگی کے ہر مرحلے پر کسی نہ کسی کام سے تقریب کا اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ بچہ کی پیدائش سے یہ سلسلہ شروع ہوتا تھا' جس میں اذان' چھٹی' نام رکھنے کی رسم' بسم اللہ' سالگرہ' ختنہ' جھولے کی رسم' روزہ کشائی اور مونچھوں کا کونڈہ وغیرہ وغیرہ شامل تھیں۔ اس کے بعد شادی کی تقریبات میں منگنی' مانجھے ساچق' مہندی' شب گشت' عقد خوانی' ولیمہ اور چوتھی زچگی کے موقع پر چوماسا' ستواں سا' نوماسا اور موت کے موقع پر فاتحہ' سوئم' چہلم اور برسی وغیرہ ان تمام تقریبات میں قسم قسم کے کھانے پکتے تھے' تحفہ تحائف تقسیم ہوتے تھے۔ دیگر رسومات کو چھوڑ کر یہاں شادی کی تقریب کے بارے میں کچھ لکھا جاتا ہے۔ کہ جاگیردارانہ معاشرے میں ایسی تقریبات کو کس طرح طول دے کر تفریح کا سامان فراہم کیا جاتا تھا۔ ظہیر دہلوی نے بہادر شاہ ظفر کے عہد میں مرزا جواں بخت کی شادی کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے:

"ہر در میں ایک طائفہ جدا رقص کرتا تھا۔ شہزادگان کی محفل جدا' ملازمین و معززین کی محفل جدا' فرقہ سپاہ کی بزم جدا' شاگرد پیشہ کے لئے جدا اس طرح ہر فریق کی محفل جدا تھی اہل شہر کے لئے عام حکم تھا کہ آئین اور تماشائے رقص و سرور سے محظوظ ہوں' رقاصان پری پیکر ہر طرف سرگرم ناز و ادا تھیں اور مہ جبیناں ناہید نواز زمزمہ پرداز۔ دس بارہ روز تک محفلیں گرم رہیں۔ کل ملازمان شاہی اور رؤسائے شہر کے واسطے تورہ جات کا حکم تھا... جس روز تورہ آتا تھا تمام عزیز و اقارب' دوست و احباب کے گھر کھانا تقسیم ہوا کرتا تھا۔ ایک تورہ میں طعام اس قدر ہوتا تھا کہ محفل شکم سیر ہو کر کھا لے۔ میرے مکان کا دالان بھر جاتا تھا۔ ایک طباق میں پانچ پانچ سیر کھانا ہوتا تھا۔ چار چار پانچ پانچ طرح کے پلاؤ رنگ برنگ کے میٹھے چاول' سرخ سبز' اودے' پانچ سیر کی باقرخانی' ایک شیریں' ایک نمکین اور کئی قسم کے نان۔(1)

لکھنؤ کے نوابین اور شہزادوں کی شادی پر بھاری اخراجات ہوا کرتے تھے مثلاً" شجاع الدولہ کی شادی پر 46 لاکھ روپیہ خرچ ہوئے آصف الدولہ کی شادی پر 24 لاکھ روپیہ کا خرچہ آیا۔(2) آصف الدولہ نے اپنے متبنی وزیر علی کی شادی کا بڑا اہتمام کیا۔ گزشتہ لکھنؤ میں اس کی تفصیل ہے:

"برات کے جلوس میں بارہ سو ہاتھی تھے۔ دولہا جو شاہی خلعت پہنے تھا اس میں بیس لاکھ کے جواہرات لٹکے ہوئے تھے۔ محفل طرب کے لئے وہ عظیم الشان اور پر تکلف خیمے بنوائے گئے جن میں ہر ایک 60 فٹ چوڑا 120 فٹ لمبا اور 60 فٹ بلند تھا اور ایسا عمدہ نفیس قیمتی کپڑا لگایا تھا کہ ان دونوں کی تیاری میں سلطنت کے دس لاکھ روپے صرف ہوئے۔(3)

تاریخ اودھ کے مصنف نجم الغنی خاں کے مطابق فقط روشنی پر تین لاکھ روپیہ کا تیل جلا۔ ساچق میں نقری گھڑے تھے۔ آرائش کی ٹٹیاں مزین اور آراستہ تھیں۔ آتش بازی نہایت نفیس تھی۔ شادی کے مصارف کی وجہ سے تمام چیزوں کی قیمتیں بڑھ گئیں۔ غلہ' تیل' کپڑا اور ہر قسم کا کرانہ مہنگا ہو گیا۔(4) لکھنؤ کے وزیراعظم

کی شادی میں تورہ بندی نقد ہوئی اس میں 7 روپیہ سے لے کر 51 روپے تک تقسیم ہوئے۔ مصالحہ' پانی' ڈلی' الائچی' تمباکو' لباس گرمی و سردی کی کشتیاں امراء رشتہ داروں اور احباب میں تقسیم ہوئیں "حقہ مداریہ" جو ایک پیسہ میں بکتا تھا اس پر 51 روپیہ خرچ ہوئے راہ میں فقرا اور گداگروں پر پیسے پھینکے گئے۔ شربت پلائی کے موقع پر معتمدالدولہ نے 16 لاکھ روپے پیش کئے۔(5) اگر ان شادیوں سے بھی دل نہیں بھرتا تھا تو گڈے گڑیا اور پالتو جانوروں کی شادیاں کر کے دل کے ارمان نکالے جاتے تھے۔ نواب آصف الدولہ کے نائب سلطنت حسن رضا خاں نے اپنے ہاتھی "دل بادل" کی شادی "بڑکنی" ہتھنی سے کی جس میں 12 سو ہاتھی براتی تھے اور شادی پر لاکھوں روپیہ خرچ ہوا۔(6)

(2)

ان تقریبات کے علاوہ اس طبقہ میں تمام تہوار نہایت اہتمام سے منائے جاتے تھے لیکن یہ ان تہواروں کی تعداد سے بھی مطمئن نہیں تھے اور موقع ملنے پر کسی نہ کسی بات پر کسی نئے تہوار کی بنیاد ڈال دی جاتی تھی' تاکہ تفریح' کھانے پینے اور وقت گزارنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل کئے جائیں۔ ان تہواروں کو منانے میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ہر تہوار میں لباس اور کھانے میں تنوع اور جدت ہوا کرتی تھی۔ عہد مغلیہ کے آخری دور میں ان تہواروں کی جھلکیاں دیکھنے سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً" محرم کے دوران دس دن تک مختلف تقریبات ہوتی تھیں۔ نذر نیاز دی جاتی تھی اور ان تمام دس دنوں میں دس مختلف قسم کے کھانے پکوائے جاتے تھے۔ بزم آخر کے مصنف نے اس تہوار کا نقشہ اس طرح سے کھینچا ہے:

> "محرم کا چاند دکھائی دیا۔ ماتم کے باجے بجنے لگے۔ سبیلیں رکھی گئیں۔ بادشاہ حضرت امام حسن حسین کے فقیر بنے' سبز کپڑے پہنے' گلے میں سبز کفنی' جھولی ڈالی جھولی میں چھوٹی الائچی دانے سونف' خشخاش بھری' درگاہ میں جا کر سلام کیا' نیاز دی .... آٹھویں تاریخ ہوئی۔ آج بادشاہ حضرت

عباس کے سقے بنے لال کھاروے کی ایک لنگی بندھی ہوئی' شربت کی بھری ہوئی مشک کندھے پر رکھے ہوئے ــــ معصوموں کو شربت پلا رہے ہیں۔ لو شربت پلا چکے۔ مالیدے پر نیاز دی سب کو لٹوایا ــــ آج دسویں تاریخ عشرے کا دن ہے ــــ دیوان خاص میں حاضری کی تیاری ہوئی ایک بڑا سا دسترخوان بچھا اس پر شیر مالیں چنی گئیں۔ شیر مالوں پر کباب' پنیر' پودینہ' ادرک' مولیاں کتر کر رکھی گئیں"(7)

آخری چہار شنبہ جو صفر کے مہینے کی تیرھویں تاریخ کو ہوتا تھا اس موقع پر نذر نیاز دی جاتی تھی اور چھلے تقسیم ہوتے تھے۔(8)بارہ وفات کے موقع پر 12 روز تک قوالی ہوتی تھی' صبح و شام فقیروں کو کھانا ملتا تھا۔(8)اس کے علاوہ گیارھویں شریف' سترہویں' خواجہ صاحب کی چھڑیاں رجب' عیدالفطر' عیدالضحیٰ دسہرہ' دیوالی اور ہولی وغیرہ کے تہوار اہتمام سے منائے جاتے تھے۔ ان سب میں شان و شوکت سے منایا جانے والا تہوار نوروز کا تھا جسے بادشاہ اور امراء خصوصیت سے منایا کرتے تھے۔ اس تہوار کے موقع پر نجومی اس سال کا رنگ بتاتے تھے کہ کون سا اختیار کیا جائے' اسی رنگ کی بادشاہ اور ان کی بیگمات پوشاک پہنتے تھے اور بادشاہ اسی نوروزی لباس میں دربار میں آتے تھے' امراء نوروزی پگڑیاں باندھے ہوتے تھے۔ کھانے کے وقت دسترخوان نوروزی رنگ کا ہوتا تھا۔ ہر کھانا 7 رنگ اور 7 قسم کا ہوتا تھا۔

دیکھو! نوروزی رنگ کا دسترخوان ہے ویسے ہی خوانوں کے خوان پوش اور کنے ہیں۔ سات رنگ کے پلاؤ مٹھائیاں' سالن' ترکاریاں' میوے اور سب چیزیں سات سات طرح کی ہیں اور سات ترکاریاں ملی ہوئی پکی ہیں۔ اس کو نورتن کہتے ہیں۔(10)

لکھنؤ کی تہذیب میں شیعہ مذہب کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ محرم کے موقع پر قسم قسم اور طرح طرح کی رسومات کی ابتداء ہوئی' جس میں تعزیہ' اعزہ داری' سوز خوانی اور مرثیہ خوانی وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ پورے سال ہر امام کی پیدائش' وفات اور ان سے متعلق ہونے والے ہر واقعہ کی رسم بنا کر اسے منانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سال بھر میں کوئی دن ایسا نہ ہوتا ہوگا جس میں کوئی تقریب

نہ ہو اور یہ تمام تقریبات جداگانہ طریقہ سے منائی جاتی تھیں۔ لکھنؤ کے بادشاہ نصیرالدین حیدر اور ان کی ماں بادشاہ بیگم سال بھر ان رسومات کے اہتمام میں مصروف رہتی تھیں:

> بادشاہ نے فرح بخش میں ایک عالیشان مکان تعمیر کرایا جس میں بارہ کمرے نہایت شاندار اور وسیع رکھے گئے۔ اس مکان کا نام درگاہ "دروازہ امام" مشہور تھا۔ قیمتی شامیانے زر بفت کے پر تکلف' جن میں آبدار موتیوں کی جھالریں کلابتو اور بادلے نکی ہوئی ہوتی تھیں۔ چاندی کے ستونوں پر جن پر طلائی کام تھا۔ ا ستادہ تھے اور جھاڑ میں چالیس کنول شمعدار روشن ہوتے تھے سونے کے کام کے وہاں رکھے گئے تھے اور نفیس فرش اور قد آدم آئینے نصب کئے گئے اور ہر جگہ ضریح سونے کی رکھی گئی اور ہر امام کی ولادت کی تاریخ پر اس امام کے نام نہاد مکان میں خوشی کا جلسہ ہوتا تھا۔ اسی طرح ہر امام کی شہادت اور وفات کی تاریخ میں حسب قاعدہ عزا کی مجلس برپا ہوتی تھی ______ ان مصارف میں چار پانچ لاکھ روپے سے کم خرچ نہیں ہوتے تھے ______ کوئی مہینہ ایسا نہیں ہوتا تھا کہ نصف ان معاملات میں بسر نہیں ہوتا تھا۔(11)

(3)

وقت گزارنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ بھی تھا کہ یہ لوگ خود کو نت نئے کھیلوں میں مصروف رکھتے تھے۔ چنانچہ اسی مقصد کے لئے نت نئے نئے انداز کے کھیل ایجاد کئے گئے۔ شطرنج' چوسر' پچیسی' پتنگ بازی' مرغ بازی' بٹیربازی' کبوتر بازی اور اسی قسم کے صدہا کھیل تھے جو زندگی میں دلچسپی کی خاطر کھیلے جاتے تھے اور ان کی تیاری و اہتمام میں ہزارہا روپیہ خرچ کیا جاتا تھا۔ ماہر و تجربہ کار ملازم رکھے جاتے تھے جو بٹیروں' مرغوں' کبوتروں اور دوسرے جانوروں کی غذا اور ان کی تربیت کا خیال رکھتے تھے۔ اس کے بعد وقت بچتا تو رات کو محفل مشاعرہ' قوالی یا قصہ خوانی کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ موسیقی' ناچ و رنگ اور طوائفوں کے مجرے وقت گزاری

کے ذریعے تھے۔

(4)

جو افراد معاشرے میں معاشی طور پر آسودہ حال نہیں ہوتے' ان کی غذا انتہائی سادہ ہوتی ہے۔ لیکن جب ایک طبقہ کے پاس دولت کی افراط ہو تو اس کی غذا میں بھی تکلفات آجاتے ہیں۔ یہ لوگ پر خوری کے نتیجہ میں اکثر بھوک کے تصور سے نا آشنا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اشتہا کو بڑھانے کے لئے قسم قسم کے خوشبودار اور پر ذائقہ کھانے تیار ہوتے ہیں۔ یہی کچھ ہمیں اس عہد کے خواص طبقہ میں نظر آتا ہے۔ ان کے ذائقہ کی خاطر روٹیوں' سالنوں' پلاؤ اور کباب کی لا تعداد قسمیں ایجاد ہوئیں اور ان کے خوبصورت نام رکھے گئے۔ مثلاً" روٹیوں کے کچھ نام یہ تھے : شیرمال' باقر خانی' کلچے' ریشمی پراٹھے' گاؤ دیدہ' نان بہار اور مصری روٹیاں وغیرہ۔ چاولوں کے نام یہ تھے : بریانی' قبولی' ہربل پلاؤ' صندلی پلاؤ' فالسائی پلاؤ' شاہ جہانی پلاؤ' دالوں کے نام یہ تھے : بادشاہ پسند' سرخابی' بحری' ترکمانی وغیرہ اس کے علاوہ لا تعداد مٹھائیاں' چٹنیاں' اچار' مربے' ان کے کھانے کا حصہ ہوتے تھے۔ چنانچہ ان کے باورچی خانہ کا خرچ اس زمانہ میں ہزارہا روپیہ کا تھا۔ آصف الدولہ کے باورچی خانہ پر 22 سو روپیہ روز خرچ ہوتا تھا۔ حیدر آباد دکن میں آصف جاہ ثانی کے باورچی خانے میں روزانہ 120 خوان خاصہ کے تیار ہوتے تھے۔(12)

ان کھانوں کی تیاری میں نئے نئے طریقے استعمال کئے جاتے تھے تاکہ ایک دوسرے پر سبقت اور فوقیت حاصل کی جائے ہر نواب یا رئیس کا باورچی خانہ اس کی سماجی حیثیت کو متعین کرتا تھا۔ یہ اپنے باورچیوں کی مہارت اور فن کے اظہار کے طور پر ایک دوسرے کی پر تکلف دعوتیں کیا کرتے تھے۔ ایسے موقعوں پر نہ صرف انواع و اقسام کے کھانے پکتے تھے بلکہ فرش فروش اور روشنی پر بھی بے انتہا خرچہ کیا جاتا تھا۔ مثلاً" لکھنؤ میں اقبال الدولہ نے نواب آصف الدولہ کی دعوت کی تو ہزارہا روپیہ کا کپڑا فرش پر بچھوایا' سوا لاکھ روپیہ کا چبوترہ تیار کرایا اور مہمانوں کو نقد و جنس سے بھری کشتیاں پیش کی گئیں۔(13)

(5)

اس معاشرے میں لباس کی بھی بڑی اہمیت تھی کیونکہ لباس سے کسی شخص کی حیثیت کا اندازہ لگایا جاتا تھا۔ اس لئے مردوں عورتوں کے نئے نئے لباس ایجاد ہوتے رہتے تھے۔ لباس کی تیاری میں اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ قیمتی کپڑا ہو اس پر زردوزی کا کام بیل بوٹے اور نقش و نگار بنائے جاتے تھے کپڑوں کے ساتھ قیمتی منقش جوڑے اور خوش لوؤں کا بھی استعمال ہوتا تھا بعض امراء میں یہ دستور تھا کہ لباس ایک مرتبہ پہن کر اسے خیرات کر دیتے تھے۔

(6)

ایک ایسا معاشرہ جو طبقاتی بنیادوں پر تقسیم ہو تو وہاں محنت کش صبح سے شام تک محنت و مزدوری کرتا ہے جبکہ جاگیردار طبقہ جس کے پاس بلا محنت ضرورت سے زیادہ پیسہ آتا ہے اپنا وقت آرام و تفریح میں گزارتا ہے۔ اس کے روز مرہ کے معمولات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ یہ زندگی کی بوریت کو کس طرح خوش گوار بنانے کی کوشش کرتے تھے مثلاً" لکھنؤ کے نواب آصف الدولہ دن رات عیش و عشرت اور لہو و لعب میں مصروف رہتے تھے ان کا مشغلہ تھا کہ ایک باغ سے دوسرے باغ اور ایک جنگل سے دوسرے جنگل میں جاتے رہتے تھے اور باقی وقت ناچ گانے' جانوروں کی لڑائیاں اور کھیلوں میں گزارتے تھے۔(14) یہی حال آخری مغلیہ بادشاہوں کا تھا جو صبح سے شام تک بے مصرف زندگی گزارتے تھے۔ ظہیر دہلوی' داستان غدر کے مصنف جو دربار کے ایک ادنیٰ عہدیدار تھے انہوں نے اپنے روز مرہ کے معمولات کی تفصیل اس طرح سے لکھی ہے:

> "9 بجے احباب جمع ہوتے تھے' وقت درس و تدریس' شعر و شاعری میں گزرتا تھا۔ 11 بجے دوستوں کی محفل برخاست ہوتی تھی۔ گنجفہ' چوسر اور شطرنج کھیلی جاتی تھی۔ شام کو پانچ بجے گھوڑوں کی سواری ہوتی تھی اور بازار کی سیر و تفریح مغرب کے بعد موسیقی کی محفل جمتی تھی یا گپ بازی ہوتی تھی 11 بجے یہ سلسلہ ختم ہوتا تھا"(15)

ظہیر دہلوی ہی نے راجہ اجیت سنگھ' جو پٹیالہ کے راجا کے چچا تھے ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ :

> "ان کے ہاں صبح نو بجے سے دربار شروع ہوتا تھا۔ شعر و سخن کی محفلیں جمتی تھیں ارباب نشاط ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ بزم رقص و سرور گرم رہتی تھی اور یہ سلسلہ رات کو دس بجے تک چلتا تھا"

حوالے

1- ظہیر دہلوی : ص 31-40

2- تاریخ اودھ : (حصہ اول) ص 46-81

3- عبدالحلیم شرر : گزشتہ لکھنؤ کراچی(؟) ص 95-96

4- تاریخ اودھ (حصہ سوئم) ص 3-5-6

5- ایضاً (حصہ اول) ص 259

6- ایضاً (حصہ سوئم) ص 274

7- بزم آخر : 46-48

8- ایضاً : ص 50-52

9- ایضاً : ص 52-53

10- ایضاً : ص 45

11- تاریخ اودھ (حصہ چہارم) ص : 393-397

12- نصیرالدین ہاشمی : دکنی کلچر لاہور(؟) ص 247-248
تاریخ اودھ (حصہ سوئم) ص 1

13- ایضاً : ص 123

14- ایضاً : ص 122

15- ظہیر دہلوی : ص 51-52 -

نواں باب

فوج

مغلیہ دور حکومت کے ابتدائی زمانہ میں فوج کا ادارہ انتہائی مضبوط اور فعال تھا۔ جس کی مدد سے انہوں نے نہ صرف اپنے اقتدار کو برقرار رکھا بلکہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں کو بھی فتح کر کے اپنی سلطنت کی حدود بڑھائیں لیکن سلطنت کی کمزوری کے ساتھ ہی فوج کا ادارہ بھی کمزور ہوا اور اس کی کمزوری کے ساتھ ہی ملک کا سیاسی نظام بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ بغاوتوں کی ابتداء ہوئی' نظم و نسق بگڑا' بیروزگاری پھیلی اور مختلف گروہ قومی بنیادوں پر ابھرے' تاکہ مغلیہ سلطنت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر علیحدہ حکومت قائم کریں۔ خانہ جنگیوں' لٹیروں' رہزنوں اور ٹھگوں سے بچاؤ کے لئے یا اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے ہر راجہ و زمیندار نے اپنی علیحدہ فوج رکھنی شروع کر دی فوج کے اخراجات پورا کرنے کے لئے یہ حل نکالا گیا کہ سرحدی علاقوں پر لوٹ مار کی جائے اور اس سے جو کچھ بھی حاصل ہو اس سے فوج کے اخراجات پورے کئے جائیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے پورا ملک خانہ جنگی میں مبتلا ہو گیا۔ طاقتور کمزور کو اور کمزور سے کمزور تر کو لوٹنے میں مصروف ہو گیا۔(1)

عہد مغلیہ کا آخری دور امراء کی باہمی رقابتوں' جنگوں اور سازشوں کا دور تھا۔ ان حالات میں ہر امیر کو اپنی دولت اور جائیداد کا خطرہ تھا۔ آئے دن کے سیاسی ہنگاموں میں ان کی جائیداد اور مال و اسباب لٹتا رہتا تھا۔ کوئی بھی طاقتور امیر اپنی فوجی طاقت کے بھروسہ پر اپنے سے کمزور امیر کی دولت پر قبضہ کر لیتا تھا۔ اس لئے ہر امیر اپنے خاندان اور جائیداد کی حفاظت کے لئے علیحدہ سے فوج رکھتا تھا۔ اس لئے جگہ جگہ امیروں منصبداروں اور جاگیرداروں کی فوجیں تھیں جو بیروزگار لوگوں کو ملازمتیں فراہم کرتی تھیں۔

(1)

فوج میں بھرتی کے وقت کسی کی ذات پات یا مذہب کی قید نہیں ہوتی تھی مسلمان امیر ہندوؤں کو اور ہندو راجہ مسلمانوں کو اپنی فوج میں بھرتی کرتا تھا۔(2) ہر فوج میں مختلف دستے ہوتے تھے جن کا تعلق کسی ذات پات' قبیلہ یا قوم سے ہوتا تھا جیسے جاٹ' راٹھور' راجپوت' نجیب یا گسائیں۔ لیکن ان کرائے کے سپاہیوں میں اکثریت مسلمانوں کی ہوا کرتی تھی۔(3)

چونکہ فوج میں کسی میس کا انتظام نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی پوری فوج کے لئے ایک جگہ کھانا پکانے کا رواج تھا کیونکہ اس میں ذات پات کی تفریق کا سوال آجاتا تھا۔ اس وجہ سے ہر سپاہی اپنا کھانا خود پکاتا تھا اور اپنے کھانے کا سامان بھی خود لے کر چلتا تھا۔ ہر فوج کے ساتھ ایک بازار ہوتا تھا جہاں ضرورت کی ہر چیز ملتی تھی۔(4) جب فوج کسی مہم پر جاتی تو اس میں ہر قسم کے لوگ شامل ہو جاتے تھے۔ جن میں جوتشی' بازی گر' نیم حکیم' جیب کترے' فقیر اور سادھو وغیرہ' جس کی وجہ سے نہ صرف فوج میں بدنظمی پیدا ہوتی بلکہ جرائم کی تعداد بھی بڑھ جاتی۔(5)

فوج میں سپاہی اور سرداروں کے ساتھ ان کا پورا خاندان بھی ہوتا تھا۔ خاص طور سے سردار اپنے ساتھ ملازمین کی ایک فوج لے کر چلتا تھا جن میں باورچی' سائیس' نائی' درزی اور قلی وغیرہ شامل ہوتے تھے۔(6) جو فوجی فوج میں بھرتی ہوتے تھے انہیں اپنا گھوڑا اور اسلحہ خود فراہم کرنا پڑتا تھا۔ اسی وجہ سے وردیوں اور لباس میں کوئی یکسانیت نہیں ہوتی تھی۔(7) اگر جنگ میں فوجی کا گھوڑا ضائع ہو جاتا تھا تو اسے بیکار سمجھ کر برطرف کر دیا جاتا تھا۔ اس لئے جنگ میں سوار کو سب سے زیادہ فکر اپنے گھوڑے کی ہوتی تھی اور جب وہ اسے خطرہ میں دیکھتا تو اسے حفاظت کی جگہ لے کر فرار ہو جاتا تھا۔(8) ہر سپاہی انفرادی طور پر اپنے ہتھیار خود خریدتا تھا۔ سپاہی اس امیر یا سردار کی فوج میں شامل ہونا پسند کرتے تھے جس کی شہرت بحیثیت فاتح کے ہوتی تھی کیونکہ اس صورت میں انہیں مال غنیمت کی امید ہوتی تھی۔ نجیب خان کو جب جاٹوں کے مقابلے میں کامیابی ہوئی تو اس کی شہرت کی وجہ سے ہزارہا لوگ اس کی فوج میں شامل ہوئے۔(9) سیاسی ابتری کے دنوں میں ایسے بہت سے فوجی سردار

ابھرے جنھوں نے اپنی فوجی اکٹھی کی اور کسی ریاست کی ملازمت اختیار کر لی اگر ریاست کا حکمران انہیں ملازمت سے برخاست کرتا تو یہ اس کے علاقہ ہی میں لوٹ مار شروع کر دیتے۔(10)

ملازمت کی بہترین شرائط نہ ہونے کی وجہ سے اکثر سپاہی فوج سے بھاگتے رہتے تھے اور ان کی جگہ لینے کے لئے بہت سے امیدوار موجود ہوا کرتے تھے۔(11)اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت ہندوستان کی سیاسی و معاشی و معاشرتی حالت کیسی تھی؟ جنگ و جدل اور لوٹ مار کی وجہ سے گاؤں کے گاؤں تباہ ہو گئے تھے جس نے بیروزگاروں کی فوج پیدا کر دی تھی انہیں فوج میں با آسانی ملازمت مل جاتی تھی کیونکہ اس ملازمت کے لئے پہلے سے کسی تربیت کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

(2)

ہر امیر اور عامل اپنی فوج میں زیادہ سے زیادہ سپاہی بھرتی کر لیتا تھا لیکن محدود ذرائع آمدنی کی وجہ سے وہ ان کو پابندی سے تنخواہ نہیں دے سکتا تھا۔ وہ امراء بھی جن کے پاس وسائل ہوتے تھے اپنی سپاہ کو پوری تنخواہ ادا نہیں کرتے تھے۔ اگر تنخواہ نہ ملنے کی صورت میں کوئی ملازمت چھوڑ دیتا تو کئی امیدوار اس کی جگہ لینے کو ہر وقت موجود رہتے تھے۔ انہیں پوری تنخواہ اس لئے بھی نہ دی جاتی تھی کہ اس صورت میں یہ ملازمت چھوڑ کر کہیں اور نہ چلے جائیں۔ اس لئے ہندوستان میں یہ روایت پڑ گئی تھی کہ فوجیوں کو کبھی پابندی سے تنخواہ نہ دی جائے بلکہ اسے ہمیشہ چڑھا کر رکھا جائے۔ بعض اوقات یہ تنخواہیں تیس تیس مہینے تک نہیں دی جاتی تھیں۔ نظام الملک آصف جاہ جیسا شخص جو انتظامی معاملات میں بہت بہتر تھا اس بات پر فخر کرتا تھا کہ " خدا کا شکر ہے کہ حکومت کے آغاز سے لے کر اس وقت تک کہ رحلت کا وقت ہے سپاہ کی تنخواہیں دو تین ماہ سے زیادہ کبھی میرے ذمہ نہیں رہی"(12)

تنخواہ نہ دینے کی اس روایت کا یہ نتیجہ نکلا کہ فوج کی جانب سے وقتاً فوقتاً ہنگامہ آرائی ہوتی رہتی تھی اور فوج تنگ آکر امیر یا سردار کو پکڑ کر اس وقت تک قید میں رکھتے تھے۔ جب تک کہ وہ پوری تنخواہ نہ دے دے۔ مطالبہ میں شدت کی خاطر

یہ بھی دستور تھا کہ اس کو قید کر کے گرم توپ پر بٹھایا جاتا تھا احمد شاہ کے زمانہ میں جب فوجیوں کو تنخواہ نہ ملی تو انہوں نے زبردستی امراء کے گھروں میں داخل ہونا شروع کر دیا اور جو قیمتی سامان انہیں ملتا وہ اسے اٹھا کر لے جاتے تھے اور بازار میں فروخت کر کے اس سے گزارا کرتے تھے اس پر دہلی کے امراء میں اس قدر خوف و ہراس پھیلا کہ انہوں نے مکانوں میں قیمتی ساز و سامان رکھنا چھوڑ دیا اور کھانا بھی مٹی کے برتنوں میں کھانے لگے فوج کو جب ایک لمبے عرصہ تک تنخواہ نہیں ملتی تھی تو وہ بغاوت کر بیٹھتے تھے اور بقایا جات کے مطالبہ پر "دھرنا" دے کر بیٹھ جاتے تھے اور فوج کے سرداروں پر کھانا پینا بند کر دیتے تھے۔ یہ دستور تھا کہ دھرنا دینے والی جماعت بھی خود کچھ نہیں کھاتی تھی اور فوج کے دوسرے دستے دھرنا دینے والی جماعت پر ہتھیار نہیں اٹھاتے تھے۔(13)جب بقایا جات بہت چڑھ جاتے تو فوج سرداروں کو ذلیل و خوار بھی کرتی تھی' مشہور مغل امیر نواب جاوید خاں سے فوج نے بقایا جات مانگے تو اس نے ابتداء میں حسب دستور وعدوں پر ٹالنا چاہا۔ اس پر تنگ آکر سپاہیوں نے اس پر ہلہ بول دیا اور اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ آخر میں بادشاہ نے اپنی تین بیگمات کے زیور بیچ کر بقایا جات ادا کئے۔(14)یہی صورت حال 1755ء میں مغل وزیر عماد الملک کے ساتھ پیش آئی۔ فوج نے بقایا جات طلب کرتے ہوئے اس کے گھر پر حملہ کیا۔ اسے نیم برہنہ حالت میں حرم سے نکالا اور گالیاں دیتے ہوئے اسے پانی پت کی گلیوں میں گھسیٹا۔(15)فوج کو تنخواہ وصول کرنے کا بہترین موقع جب آتا تھا جب کوئی مہم درپیش ہوتی تھی یا کسی حملہ کا خوف ہوتا تھا۔ اس وقت فوجیوں کو خوش کرنے کے لئے نہ صرف ان کی چڑھی ہوئی تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں بلکہ انہیں انعامات و اکرامات سے بھی نوازا جاتا تھا۔

ان فوجیوں کے لئے ایسے مواقع ہمیشہ مصیبت کا باعث ہوتے جب ان کا سردار اچانک مرجاتا' یا قتل ہو جاتا' یا اس کا زوال ہو جاتا اور حکومت اس کا مال و اسباب ضبط کر لیتی' ان حالات میں انہیں تنخواہ کی وصولیابی ہمیشہ مشکل نظر آتی۔ اس لئے ایسے موقعوں پر ہنگامے ہوتے کبھی کبھی متوفی امیر کی اس وقت تک تجہیز و تکفین کی اجازت نہ دیتے جب تک ان کے بقایا جات ادا نہ ہوں۔ پنجاب کا گورنر معین الملک

جو میر منو کے نام سے مشہور تھا جب اچانک مرا تو فوج کی پانچ چھ ماہ کی تنخواہ باقی تھی' اس لئے انہوں نے دو دن تک اسے دفن نہیں ہونے دیا' آخر کار اس کی بیوی مغلانی بیگم نے تین لاکھ روپیہ اپنے خزانہ سے نکال کر فوج کی تنخواہ ادا کی۔(16)

ایک صورت یہ بھی ہوا کرتی تھی کہ فوج اپنے سردار کے مال و اسباب کو لوٹ لیتی تھی۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ انہیں کچھ نہ ملتا تھا ان فوجیوں کی ملازمت کا بھی کوئی تحفظ نہیں تھا۔ ان کی ملازمت کسی وقت بھی بلا جواز ختم کر دی جاتی تھی۔ اس صورت حال میں انہیں نہ تو تنخواہ ملتی تھی اور نہ معاوضہ' برخاست شدہ فوجیوں کی بغاوت کے نتیجہ میں' فوج کے دوسرے حصوں کو انکے خلاف استعمال کیا جاتا۔ یہ برطرف شدہ فوجی بے سرو سامانی کی حالت میں کسی دوسرے رئیس یا امیر کی طرف رجوع کرتے' مثلاً" نواب آصف الدولہ نے فوج کی برطرفیاں کیں تو ان فوجیوں نے نجف خاں کے پاس پناہ لی۔

فوجیوں کا معاشی حالت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں اکثر اوقات صرف دو وقت کے کھانے پر ملازمت دی جاتی تھی اور یہ وعدہ کیا جاتا تھا کہ تنخواہ کا حساب بعد میں کیا جائے گا مثلاً" اودھ میں بادشاہ بیگم نے اپنے لڑکے نصیرالدین حیدر کی مخالفت سے ڈر کر اپنے لئے فوج بھرتی کی تو مسلمانوں کو روٹی اور ایک پیالہ قلیہ یا دال کا ملتا تھا اور ہندوؤں کو سیر بھر آٹا اور دال ملتی تھی تنخواہ کے سلسلہ میں صرف یہ وعدہ تھا کہ جب حالات بہتر ہوں گے اس وقت ملے گی اس پر بھی آٹھ ہزار آدمی فوری طور پر ملازمت میں آگئے۔(17)فیض آباد میں شجاع الدولہ کے زمانہ سے بیگمات و محلات اور خزانوں کی حفاظت کے لئے فوج مقیم تھی' جنہیں کئی سالوں سے تنخواہ نہیں ملی تھی جب تنگ آکر انہوں نے تنخواہ کے مطالبہ میں محل کا محاصرہ کیا تو بیگم صاحب نے تنخواہ تو دے دی مگر اس جرم میں انہیں برطرف بھی کر دیا۔(18)اسی قسم کا ایک واقعہ جنوبی ہندوستان کی ریاست میسور میں ملتا ہے کہ جب راجہ کے دیوان نندراج نے اپنی سپاہ کو تنخواہ نہ دی تو وہ بطور احتجاج اس کی ڈیوڑھی پر دھرنا دے کر بیٹھ گئے اور اس کا کھانا پینا بند کر دیا۔ تنگ آکر نندراج نے اپنی کپڑے برتن اور زیورات بیچ کر ان کی تنخواہ ادا کی اور ساتھ ہی فوج کو برطرف کر دیا۔(19)

ستم ظریفی یہ تھی کہ امراء و عہدے دار راجہ اور نوابین ملک سے حاصل ہونے والی آمدنی اور محصولات کو اپنی عیاشیوں پر بے دریغ خرچ کرتے تھے لیکن جب فوجیوں کی تنخواہ دینے کا سوال آتا تو لیت و لعل کرتے۔ اودھ کے آصف الدولہ جن کے اسراف کے قصے مشہور تھے اور جن کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ "جسے نہ دے مولا، اسے دے آصف الدولہ" جب ان کی سپاہ ان سے تنخواہ طلب کرتی تو وہ سخت ناراض ہو جاتے اور اس جرم میں فوج کو برطرف کر دیتے ان کے زمانہ میں یہ بھی نرالا دستور تھا کہ فوجیوں کو بارہ مہینے کے بجائے آٹھ یا دس مہینے کی تنخواہ ملتی تھی۔ اس پر بھی انہیں نقد تنخواہ نہیں ملتی تھی بلکہ اس کے عوض سرکاری استعمال شدہ کپڑے اور پرانے تانبے کے برتن دیئے جاتے تھے۔(20) اکثر تنخواہ کے مطالبہ پر آصف الدولہ انہیں توپ سے باندھ کر اڑا دیا کرتے تھے۔(21) ان کا یہ بھی دستور تھا کہ اگر تلنگے تنخواہ طلب کرتے تھے تو ان کے خلاف نجیبوں کو لڑا دیتے تھے اور اگر نجیب مانگتے تو تلنگوں کو آگے کر دیتے تھے۔(22)

فوجیوں کی اس حالت زار کا نقشہ سودا اور نظیر اکبر آبادی کے ہاں دلچسپ انداز میں ملتا ہے: سودا کہتے ہیں:

گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی　　تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشاں ہے
گزرے ہیں سدا یوں علف و دانہ کی خاطر　　شمشیر جو گھر میں تو سپر بنیئے کے یاں ہے
ثابت ہو جو دوگلا تو نہیں موزوں میں کچھ　　تیروں میں ہو پر گیر تو نے چلا کمان ہے
حالتا ہے نفر غرے کو صراف سے جا کر　　بی بی نے کچھ کھایا ہے فاقہ سے میاں ہے
یہ بنئے دیا کچھ تو ہوئی عید وگرنہ　　شوال بھی پھر ماہ مبارک رمضان ہے
اس رنج سے جب چڑھ گئے چھتیس مہینے　　تنخواہ کا پھر پیٹنا اس شکل سے یاں ہے

نظیر اکبر آبادی نے اس طرح سے نقشہ کھینچا ہے۔

ہے جن سپاہیوں کے بندوق اور سناں　　کندے کا ان کے نام نہ چلے کا ہے نشاں
چاندی کے بند تار تو پیتل کے ہیں کماں　　لاچار اپنی روزی کا باعث سمجھ کے ہاں
رسی کے ان میں باندھے ہیں پیادے سوار بند
جو گھوڑا اپنے بیچ کے زین کو گرو رکھیں　　یا تیغ اور سپر کو لئے چوک میں پھریں

ٹکا جو بکتا آوے تو کیا خاک دے کے لیں   جب پیش قبض بک کے پڑے روٹی پیٹ میں
پھر اس کا کون مول لے وہ چھپے دار بند

جتنے سپاہی یاں تھے نہ جانے کدھر گئے   دکھن کے تیئں نکل گئے یا پیش تر گئے
ہتھیار بیچ ہو کے گدا گھر بکھر گئے   جب گھوڑے بھالے والے بھی یوں در بدر گئے
پھر کون پوچھے ان کو جواب ہیں کٹاربند

ایسا سپاہ مرد کا دشمن زمانہ ہے   روٹی سوار کو ہے نہ گھوڑے کو دانا ہے
تنخواہ نا طلب ہے نہ پینا نہ کھانا ہے   پیادے دوال بند کا پھر کیا ٹھکانا ہے
در در خراب پھرنے لگے جب نقاربند

(3)

فوج کو تنخواہ تو نہیں ملتی تھی لیکن انہیں یہ امید ضرور رہتی تھی کہ لوٹ مار کے مواقع ملنے پر انہیں کافی مال غنیمت مل جائے گا۔ بلکہ بعض اوقات اپنی شکست کے بعد یہ اپنے ہی لشکر کو لوٹ کر بھاگ جاتے تھے۔ بکسر کے مقام پر جب شجاع ادولہ کو شکست ہوئی تو ان ہی کی فوج نے ان کا کیمپ لوٹا اس سے جو باقی بچا وہ دشمنوں کے ہاتھ لگا۔ چنانچہ یہ دستور تھا کہ شکست کے بعد فوری طور پر کیمپ اور خیمے لوٹنے میں مصروف ہو جاتے اس لئے ہندوستانی فوج لوٹ مار میں اس قدر ماہر ہو گئی تھی کہ منٹوں میں لوٹ کھسوٹ کر جگہ کو ویران کر دیتے تھے۔ جب حسین علی خان کا محمد شاہ کے لشکر میں قتل ہوا تو اس کا سارا مال و اسباب چند لمحوں میں اس کی اپنی بادشاہ کی فوج نے لوٹ لیا کبھی کبھی فوج کو لالچ دینے کے لئے اس قسم کے اعلانات بھی کئے جاتے تھے کہ دشمن کی شکست کے بعد جو لوٹ لے گا وہ اسی کا مال ہو گا۔ کبھی کبھی یہ پابندی لگا دیتے تھے کہ ہاتھی، توپیں اور جنگی طبل کے علاوہ باقی مال سپاہ کا۔

ایسا بھی ہوتا تھا کہ فتح کے بعد شہروں اور قصبوں کو لوٹ لینے کا حکم ہوتا تھا ایسے موقعوں پر فوجی کسی شہری مرد یا عورت پر رحم نہیں کرتے تھے۔ عورتوں اور لڑکوں کو پکڑ کر لے جانا مردوں کو قتل کرنا، مال و دولت لوٹنا اس کے حصول کے لئے لوگوں کو ایذا و تکلیفیں دینا عام دستور تھا۔ میدان جنگ میں شکست کے بعد فوج کا سردار جو بیش قیمت لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہوتا تھا اکثر موت کا شکار ہوتا تھا کیونکہ اسے اسلحہ اور لباس کی خاطر فوراً" قتل کر دیا جاتا تھا۔

جب بھی فوجیں کسی مہم پر نکلتیں' تو راستے میں گاؤں و قصبوں کو لوٹتی' کھیتوں کو برباد کرتی' آگ لگاتی اور زبردستی ان کے مال و اسباب پر قبضہ کرتی ہوئی آگے بڑھتیں اس لئے گاؤں کی آبادی جنگ کے آثار دیکھ کر اپنی عزت اور پونجی بچانے کی خاطر جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے اور جنگ کے بعد واپس آکر اپنے اجڑے گھروں کو بساتے اور ویران کھیتوں کو آباد کرتے۔ اس لئے فوج اور رعیت میں کبھی مفاہمت پیدا نہیں ہوئی' یہی وجہ تھی کہ جب شکست خوردہ فوج بھاگتی تو کسانوں اور گاؤں والوں کے ہاتھوں لٹتی۔ پانی پت کی تیسری جنگ کے شکست خوردہ سپاہی جب بھاگے تو ان کے گھوڑے اور مال و اسباب گاؤں والوں نے لوٹ لئے۔ میر تقی میر لکھتے ہیں کہ : "ہزاروں ننگے (سپاہی) روتے ہوئے جس راستے سے گزرتے تھے لوگوں کے لئے عبرت کا سامان نظر آتے تھے"(23)

لوٹ مار کی وجہ سے اکثر یہ ہوا کہ اچھی خاصی فتح شکست میں بدل گئی کیونکہ فوجی لوٹ مار میں مصروف ہوئے اور شکست خوردہ فوج نے دوبارہ حملہ کر دیا اور فتح یاب ہوئی۔

جب بڑے شہروں کو فتح کیا جاتا تھا تو وہاں بڑے اہتمام سے لوٹ مار ہوتی تھی شہر کے ساہوکاروں' سیٹھوں' بنیوں اور امراء سے زبردستی پیسہ وصول کیا جاتا تھا' جسونت راؤ ہلکر نے جب اجین فتح کیا تو شہر کے محلوں کو ٹھیکہ پر دے دیا کہ وہ رقم جمع کر کے اسے دیں۔(24) بعض اوقات شہر کو لوٹنے کے بجائے اس پر تاوان عائد کر دیا جاتا تھا۔ جو یا تو شہری خود دیتے تھے یا پھر ان سے زبردستی وصول کیا جاتا تھا جب فوج شہر کو لوٹنے میں حصہ لیتی تو خاص طور سے شہر کے بازاروں کو لوٹا جاتا تھا۔ نجیب آباد کو جب ضابطہ خاں کی شکست کے بعد لوٹا گیا تو تمام قلعہ کو کھود کر خزانے کی تلاش کی گئی۔ لوگوں کی تلاشی لیتے وقت ان کے کپڑے تک اتروا لئے گئے۔ مال و دولت کے ساتھ ساتھ فوجی عورتوں کو بھی پکڑ کر لے گئے۔

ہندوستان کی رعیت مجموعی طور پر خانہ جنگیوں اور فوجیوں کی تیرہ دستیوں سے متاثر ہوئی اور دوست و دشمن دونوں کے ہاتھوں یکساں طور پر برباد ہوئی۔

(4)

چونکہ فوج کسی امیر یا رئیس کی ملازم ہوتی تھی اس لئے اس کی ساری وفاداری اس کی ذات تک محدود ہوتی تھی۔ جنگ کے دوران اگر سردار بھاگ جاتا یا قتل ہو جاتا تو لڑائی کا فیصلہ بھی اس کے ساتھ ہی ہو جاتا تھا۔ سردار کی غیر موجودگی میں فوج نہ تو میدان میں ٹھہرتی تھی اور نہ لڑتی تھی۔ اس لئے اکثر جیتی ہوئی جنگیں' سردار کے اچانک قتل ہونے سے شکست میں بدل گئیں۔ یہ شخصی وفاداری اس وجہ سے تھی کہ معاشرہ میں کوئی ادارہ ایسا نہیں تھا جس کے ساتھ وہ وفادار رہ سکیں۔ انہیں سلطنت اور ریاست کے اداروں کی جانب سے کوئی معاشی تحفظ نہیں ہوا کرتا تھا اس لئے امیر اور رئیس کی ذات ان کے لئے اہم ہوا کرتی تھی جو انہیں وقتی طور پر معاشی تحفظ دیا کرتا تھا۔

اس لئے جب یہ فوجی ملازمت کی تلاش میں سرگرداں پھرتے تو ان کے لئے کسی مذہب و ملت کی قید نہیں ہوتی تھی۔ مغل' مرہٹے' روہیلہ' سکھ' پٹھان اور راجپوت سب مل کر کسی ہندو یا مسلمان کی فوج میں شامل ہو جاتے تھے اور جو قدر انہیں اس امیر کی وفاداری پر مشترک رکھتی تھی وہ "نمک حلالی" کا تصور تھا ان کے نزدیک ہندو اور مسلمان کی شخصیتیں بالکل اہم نہ تھی بلکہ جو انہیں ملازم رکھتا یہ اس کی خاطر لڑتے ان کے نزدیک سب سے بڑی وجہ معاشی تحفظ ہوتی تھی۔ اس کی ایک مشہور مثال توپچی ابراہیم گاروی کی ہے یہ ابتداء میں فرانسیسیوں کی ملازمت میں تھا بعد میں یہ حیدر آباد دکن کے نظام علی خان کا ملازم ہو گیا پھر یہاں سے مرہٹوں کی ملازمت میں آگیا اور ان کا توپ خانہ یورپی انداز میں ترتیب دیا۔ مرہٹوں کی جانب سے یہ دکن ریاست کے خلاف لڑا' پانی پت کی تیسری جنگ میں یہ مرہٹہ توپ خانہ کا انچارج تھا۔ مرہٹوں کی شکست کے بعد یہ گرفتار ہوا اور زخموں کی تاب نہ لا کر مر گیا۔(25)

(5)

جب انگریز ہندوستان میں آئے اور انہوں نے اپنے سیاسی عزائم کی خاطر

فوجیوں کی بھرتی شروع کی تو انہیں اس سلسلہ میں توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ معاشی بد حالی اور بیروزگاری کی وجہ سے لوگ جوق در جوق انگریزی ملازمت میں آئے۔ انگریزوں کی ہندوستان میں کامیاب کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے ہندوستانی فوج کی ذہنیت میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور فوج کی وفاداری جو کسی شخص یا فرد سے ہوتی تھی اس کے بجائے وفاداری کا مرکز ایک ادارہ یعنی "کمپنی" کو قرار دیا۔ فوجیوں کے لئے کمپنی وہ ادارہ تھی جو انہیں تنخواہ دیتی تھی ان کی پنشن ادا کرتی تھی اور ان کی ملازمت کا تحفظ کرتی تھی۔ اس لئے ان کی وفاداری کسی انگریز جنرل یا کمانڈر سے نہیں بلکہ کمپنی سے تھی۔ اس لئے انگریز فوج میں ایسا نہیں ہوا کہ کمانڈر مارا گیا تو فوج بھاگ گئی۔ فوج اب ایک فرد کے لئے نہیں بلکہ ایک ادارہ کے لئے جنگ کرتی تھی۔ سلیمن نے ایک ہندوستانی فوجی افسر سے گفتگو کرتے ہوئے اس کے خیالات کو اس طرح سے بیان کیا ہے۔

> جب کوئی کمپنی کی ملازمت میں ہوتا ہے تو اس کے دوستوں کو معلوم ہوتا ہے کہ سپاہی کو اس کی تنخواہ پابندی سے ملے گی اور وہ اس قابل ہوتا ہے کہ تنخواہ کا بڑا حصہ اپنے گھر بھیج سکے۔ اگر کوئی کسی ہندوستانی امیر کے ہاں ملازمت کرتا ہے تو اس کے دوستوں کو علم ہوتا ہے کہ اس کی تنخواہ خطرے میں ہے اور وہ اس کے خاندان کی پرورش سالوں بغیر کسی رقم کی وصولی کے کرتے ہیں۔ صرف اس امید میں کہ شائد ایک دن حالات بدل جائیں۔(26)

حوالے

1- شاہ عالم ثانی کے عہد کا دہلی دربار: ص 147

-2

Bidwell, S. :Swords for Hire London. 1971. P.125.

3- ایضاً: ص 125

4- ایضاً: ص 125-131

-5 Dubois, A.J. :Hindu Manners, Customs and Ceremonies oxford 1959. P.679.

6- ایضاً" : ص 679

7- شاہ عالم ثانی کے عہد کا دہلی دربار ص 144

8- دوبائے: ص - 676

9- میر تقی میر: میر کی آپ بیتی (اردو ترجمہ) دہلی 1957

ص 169-171

10- سلیمن : ص 368

11- دوبائے : ص 675

12- تاریخ ریاست حیدر آباد دکن - ص - 173

-13 Molcolm Sir, J.:A memoir of Central India I, Shannon, 1972. P.265.

14- تاریخ احمد شاہی (ایسٹ و ڈاؤسن - حصہ ہشتم)

ص 115-116 15- فقیر خیرالدین محمد: عبرت نامہ (ایسٹ و ڈاؤسن - حصہ ہشتم)

ص 238-240

-16 Gupta. H.R. :Later Mughal History of the Punjab. Lahore, 1976. P.113.

17- تاریخ اودھ (حصہ چہارم) ص 404

18- ایضاً" : (حصہ سوم) ص 135-136

19- میر حسین علی کرمانی : نشان حیدری (اردو ترجمہ) کراچی 1962ء

ص 51-52

20- تاریخ اودھ (حصہ سوم) ص 113

21- ایضاً" : ص 121-122

22- ایضاً" : ص 357-358

23- میر تقی میر: 135

24- مالکم: I ص 216
25- تاریخ ریاست حیدر آباد دکن: ص 275-276-290
26- سلیمن: ص - 217

دسواں باب

پنڈاری

آخری عہد مغلیہ میں پنڈاری تحریک اپنے عہد کے نظام کے خلاف رد عمل کے طور پر پیدا ہوئی۔ یہ اپنے عہد کے محروم اور مظلوم طبقہ کے لوگوں کی تحریک تھی وہ لوگ جنہیں ان کی زمینوں سے بے دخل کیا گیا تھا' جو زمینداروں سود خور مہاجنوں اور حکومت کے کارندوں کے ہاتھوں تباہ ہوئے تھے اور جن سے ان کے زندہ رہنے کے تمام ذرائع چھین لئے گئے تھے' ایسے لوگ رد عمل کے طور پر معاشرے سے انتقام لینے اور اپنے خاندان کی زندگی کے گزارنے کے لئے' لٹیرے بن گئے۔

یہ تحریک ایک ظالم اور استحصالی معاشرے کے خلاف ایک آواز ضرور تھی اور اس کی بد اعمالیوں کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھی۔ مگر بدقسمتی سے سیاسی و سماجی و معاشی اور تعلیمی فقدان نے اس تحریک کو محض لٹیروں کی ایک جماعت بنا دیا اور انہوں نے امیر و غریب کو بلا تفریق لوٹ کر خود کو عوام سے دور کر لیا۔ بلکہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرے میں عدم تحفظ کے احساس نے حکومت کے اداروں کے خلاف نفرت کے بجائے ان پر اعتماد کرنا شروع کر دیا اس کا سب سے زیادہ فائدہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہوا کہ اس نے ہندوستانی ریاستوں اور عوام کے خوف کو اپنے لئے استعمال کیا اور ہندوستان کے عوام کو ذہنی طور پر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ صرف ان کی حکومت میں امن و امان کی زندگی گزار سکتے ہیں۔

(1)

لفظ پنڈاری کی وجہ تسمیہ میں اختلافات پائے جاتے ہیں اور اب تک حتمی طور پر یہ فیصلہ نہیں ہو سکا ہے کہ اس کی اصل کیا ہے؟ مثلاً "پنڈا سی بس نئیں" کے معنی ہیں پیچھے چلنا چونکہ یہ فوج کے آخری حصہ میں چلتے تھے اور ان کا کام لوٹ مار

ہوتا تھا اس لئے ان کا یہ نام پڑ گیا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ "پنڈار" سے نکلا ہے " پنڈ" بمعنی "کھان" اور "آر" بمعنی "لانے والا" یعنی "لوٹ مار کا مال لانے والا" یہ بھی خیال ہے کہ یہ لفظ "پنڈھار" جو برہانپور اور ہنڈیا (نربدا) کے درمیان میں واقع ہے اس سے نکلا ہے۔ کیونکہ پنڈاریوں کی اکثریت اسی علاقہ میں آباد تھی۔(1) جان مالکم سے کریم خان پنڈاری نے اس لفظ کو یہ معنی بتائے کہ ان کا یہ نام شراب نوشی کی وجہ سے مشہور ہوا کیونکہ یہ لوگ شراب فروخت کرنے والی دوکان پر جو پنڈ کہلاتی تھی پڑے رہتے تھے۔(2)

تاریخ میں پنڈاریوں کی ابتداء دکن سے ہوتی ہے اور اس کی وجہ دکن کی مسلمان ریاستوں کے جھگڑے تھے۔ سترھویں صدی میں جب اورنگ زیب اور مرہٹوں کے درمیان جنگیں ہوئیں تو یہ مرہٹوں کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔(3) تاریخ میں پہلے پنڈاری کا نام 1689ء میں ملتا ہے جو "پوناپا" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔(4)

(2)

ابتداء میں پنڈاری غیر فوجی ملازم ہوا کرتے تھے اور مرہٹہ فوج کے پیچھے چلا کرتے تھے اور انہیں "نعل بندی" کے نام سے کچھ خرچہ مل جاتا تھا ورنہ ان کا حصہ لوٹ مار میں ہوا کرتا تھا یہ جنگ کے خاتمہ پر اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے جاتے تھے اور زمانہ امن میں کھیتی باڑی کر کے گزارا کرتے تھے جنگ کے زمانہ میں پھر ان کی خدمات حاصل کی جاتیں تاکہ یہ دشمن کے علاقہ میں جا کر لوٹ مار کریں جس سے دشمن میں خوف و ہراس پھیل جائے اور مرہٹہ فوج کو دشمن کو زیر کرنے اور اس کے علاقوں پر قبضہ کرنے میں آسانی ہو۔

ہندوستان میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں نے پنڈاری تحریک کی تنظیم پر گہرے اثرات ڈالے جب برطانوی سلطنت کی حدود بڑھیں اور نئے نئے علاقے ان کے قبضہ میں آنا شروع ہوئے تو ریاستوں کے سپاہی و فوجی بے روز گار ہوتے چلے گئے۔ یہ بیروز گار سپاہی تلاش معاش میں پنڈاریوں کے جتھے میں شامل ہوتے چلے گئے اور بہت جلد پنڈاری ایک ایسی فوجی تنظیم بن گئی جو نہ تو کسی ریاست کے ماتحت تھی اور نہ کسی

راجہ و نواب کے ماتحت۔ ہر وہ بے روزگار شخص جس کے پاس گھوڑا و نیزہ ہوتا تھا اس گروہ میں شامل ہو جاتا تھا۔ ایسے بے روزگار فوجی پنڈاریوں کے لئے مستقل سپلائی کا باعث تھے کیونکہ ایک فوجی دوسرا پیشہ اختیار کرنا باعث ذلت سمجھتا تھا اس لئے وہ لوٹ مار کے پیشہ کو اپنے پیشہ سے قریب پاتا تھا۔ فوجیوں کے ساتھ ساتھ اس تحریک میں کسان بھی شامل ہوتے گئے جن کی کھیتیاں جنگ کے نتیجہ میں تباہ ہو گئی تھیں یا جو زمینداروں اور جاگیرداروں کی لوٹ کے نتیجہ میں مفلوک الحال ہو گئے تھے یا جنہیں ذات برادری سے خارج کر دیا گیا تھا یا جو ملازمت سے برطرف کر دیئے گئے تھے ان مختلف عناصر نے پنڈاری تحریک کو ایک ایسی تنظیم میں ڈھال دیا جس میں ذات پات' مذہب و قوم کی کوئی تخصیص نہیں تھی جو صرف ایک مقصد کے تحت جمع ہوتے تھے کہ لوٹ مار کے ذریعہ اپنی روزی کما سکیں اس لئے ان کا مستقل پیشہ لوٹ مار تھا وہ ہمیشہ حالت جنگ میں رہتے تھے ہندوستان میں اس وقت ایک فوجی کا یہ تصور تھا کہ وہ لوٹ مار کے ذریعہ دولت حاصل کر کے اپنے خاندان کے لئے وسائل مہیا کرتا تھا اسی طرح ایک پنڈاری خود کو ایک قابل عزت شہری سمجھتا تھا اور وہ یہ ضروری سمجھتا کہ اپنی آمدنی کو فراخدلی سے خرچ کرے اپنے رشتہ داروں سے تعلقات ٹھیک رکھے تاکہ اسے معاشرے میں اعلیٰ مقام مل سکے۔ جب وہ اودھ یا روہیل کھنڈ سے کسی پنڈاری سردار کی ماتحتی میں لوٹ کر گھر واپس آتا تو اس کا اسی طرح استقبال کیا جاتا جیسے کوئی فوجی سندھیا یا ہلکر کی فوج سے آیا ہو۔(5)

(3)

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ پنڈاری ابتداء میں صرف دکن میں محدود تھے جب باجی راؤ وسط ہند میں حملہ آور ہوا تو پنڈاریوں کی اکثریت اس کے ساتھ تھی شائد مرہٹہ سردار کا یہ مقصد ہو کہ پنڈاریوں کو دکن سے نکال کر مالوہ میں آباد کرے تاکہ یہ مستقل طور پر مغل ریاست میں لوٹ مار کر کے بدامنی پیدا کرتے رہیں۔(6)

جان مالکم' جس نے پنڈاریوں کے خلاف مسلسل جنگیں لڑیں اور انہیں شکستیں دیں' اس نے ان کی تاریخ بڑی تفصیل سے لکھی ہے جس سے اس تحریک

کے لیڈروں اور تحریک کی کارروائیوں کے بارے میں اہم معلومات ملتی ہیں ما لکم کی رائے کے مطابق اس طبقہ کی ابتداء غازی الدین سے کی جاتی ہے جو باجی راؤ کی ملازمت میں تھا۔ اس کے بعد اس کے دو لڑکوں گردی خان اور شہباز خان اس کے جانشین ہوئے۔

گردی خان صرف 16 برس کا تھا کہ وہ ملہار راؤ ہلکر کی ملازمت میں داخل ہوا ہلکر اس کی بہادری اور وفاداری سے بہت خوش ہوا اور اسے انعام میں ایک زریں جھنڈا دیا جس کے معنی تھے کہ اسے ایک سردار کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا گردی خان اپنے قبیلہ کے نام سے "تورانی" کہلاتا تھا مگر اس کے ہمراہی پنڈاری کہلاتے تھے۔(7)اس وقت مرہٹہ فوج میں یہ دستور تھا کہ پنڈاری فوج کے آگے روانہ کر دیئے جاتے تھے کیونکہ اس وقت ان کا کام جنگ لڑنا نہیں ہوا کرتا تھا ان کے پست سماجی رتبہ اور افلاس نے ان میں ظلم و بربیت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی اس لئے ان سے کسی نیکی کی توقع فضول تھی۔(8)

گردی خان کے بعد اس کا لڑکا لعل محمد اس کا جانشین ہوا' اس کے بعد اس کا لڑکا امام بخش' امام بخش کے بعد سرداری اس خاندان سے نکل کر دوسروں میں چلی گئی' جن میں قادر بخش' تکو خان اور بہادر خان مشہور ہوئے۔ چونکہ یہ پنڈاری سردار ہلکر کی فوج میں تھے اس لئے خود کو "ہلکر شاہی" کہلواتے تھے۔(9)

ملہار راؤ ہلکر اور تکاجی ہلکر کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جب وہ مرہٹہ فوج کے ساتھ چلتے تو ان کے خیمے فوج سے علیحدہ نصب ہوتے تھے قیام کے دوران میں انہیں اس بات کی اجازت نہیں ہوتی تھی کہ وہ دشمن کے علاقہ میں جاکر لوٹ مار کریں۔ اس کے عوض انہیں دو روپیہ یومیہ الاؤنس دیا جاتا تھا اور وہ اپنے ٹٹوؤں اور بیلوں سے غلہ چارہ اور لکڑی لانے کا کام کرتے تھے جب وہ فوج کے ساتھ دشمن کے ملک میں داخل ہوتے تو انہیں لوٹ مار کی اجازت ملتی اس وقت ان کا الاؤنس بند کر دیا جاتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب وہ لوٹ مار کا سامان لاتے تو مرہٹہ سرداران سے زبردستی یہ سامان چھین لیتے تھے۔(10)

ہلکر کی فوج میں اگرچہ پنڈاریوں کی اکثریت تھی مگر ان کا دربار میں کوئی سماجی

مرتبہ نہیں تھا اور ان کے سردار راجا کے سامنے بیٹھ نہیں سکتے تھے' جب جسونت راؤ ہلکر پاگل ہوا اور اس کی ریاست میں ابتری پھیلی تو اس وقت پنڈاری سرداروں نے جاگیروں پر قبضے کر کے اپنے سماجی رتبہ کو بڑھایا۔(11)

(4)

غازی الدین کا دوسرا لڑکا شہباز خان رانو جی سندھیا کی ملازمت میں چلا گیا اور پنڈاریوں کی فوج کا سردار بنا۔ یہ ٹونک کے مقام پر ایک لڑائی میں مارا گیا اس نے اپنے دو لڑکے ہیرا اور برن چھوڑے جنہوں نے مادھو جی سندھیا کی فوج میں شہرت حاصل کی یہ دونوں سندھیا کی فوج کے ہمراہ ہندوستان آئے اور ہندوستان کی ریاستوں کی لڑائی اور چپقلش سے فائدہ اٹھا کر سب سے پہلے انہوں نے بھوپال اور ناگپور کی ریاستوں کے خراب تعلقات کو اپنے حق میں استعمال کیا انہوں نے پہلے ریاست بھوپال کو پیشکش کی کہ وہ اس کی جانب سے ناگپور کو لوٹیں جب بھوپال کے نواب نے اسے ٹھکرا دیا تو وہ ناگپور چلے گئے جہاں راجہ رگھو جی بھونسلہ نے ان کا خیر مقدم کیا اور اجازت دی کہ وہ بھوپال کو دل کھول کر لوٹیں جب وہ لوٹ مار کر کے مال و اسباب ناگپور لائے تو راجہ نے مال غنیمت کے لالچ میں پنڈاریوں کے کیمپ کا محاصرہ کر کے ان کا مال لوٹ لیا اور برن کو قید کر دیا' جو اسی حالت میں مرا' لیکن ہیرا بھاگ کر دولت راؤ سندھیا کے پاس پونا چلا گیا۔(12)ہیرا کے بعد اس کے لڑکے دوست محمد اور واصل محمد اس کے جانشین ہوئے۔

برن کے قید ہونے پر اس کا لشکر دولہ جمعدار کو ملا' اس کے بعد اس کا لڑکا راجن سردار ہوا لیکن سارے اختیارات چیتو خاں کو ملے۔ چیتو خاں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ میواتی تھا اور اسے دولہ جمعدار نے قحط کے زمانہ میں خرید کر اپنے لڑکے کی طرح پالا پوسا تھا۔ 1804ء میں جب دولت راؤ وسط ہند میں آیا تو اس نے پنڈاری سرداروں کو خطابات دے کر ان کا رتبہ بڑھایا۔ اس موقع پر چیتو کو نواب اور مستقیم جنگ کے خطابات ملے مگر وہ چیتو کے نام ہی سے مشہور رہا کیونکہ پنڈاریوں میں مختصر ناموں کا رواج تھا۔(13)

چیتو ایک ذہین سمجھدار سیاستدان تھا۔ اس نے جس علاقہ پر قبضہ کر کے اپنے ساتھیوں کی رہائش کے لئے بنایا تھا وہ ناہموار پہاڑ اور گھنے جنگلوں میں واقع تھا یہ علاقہ دریائے نربدا کے شمالی کنارے اور کوہ بندھیا چل کے مابین واقع تھا۔ آخر زمانہ میں اس نے "امرت واڑے" کے پرگنہ "تالین" پر قبضہ کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اس لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی اس کا کام تھا کہ وہ اردگرد کے علاقوں پر حملہ کر کے لوٹ مار کرتا تھا اس کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ڈر کر سندھیا نے اس کے خلاف کئی مہمات بھیجیں، مگر اسے کسی قسم کی کامیابی نہیں ہوئی آخر کار اس نے ایک معاہدے کے ذریعے 5 پرگنہ دے دیئے یہ پہلا موقع تھا کہ چیتو کو ایک جائز حکمران تسلیم کیا گیا۔(14)

پنڈاریوں کا دوسرا مشہور لیڈر کریم خان تھا جسے محمد داؤد کا فرزند بتایا جاتا ہے یہ رگھوبا کے پیشوا کے ہاں پنڈاریوں کی جماعت کا سردار تھا۔ بعد میں دولت راؤ سندھیا کے ہاں ملازم ہوا، جب مرہٹوں اور نظام الملک میں جنگ ہوئی تو اسے بہت سا مال غنیمت ملا جسے لے کر وہ سندھیا کی فوج سے علیحدہ ہوا اور وسط ہند میں شجا پور اور بیرسیہ پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی 1804ء میں سندھیا نے اس کا ان علاقوں پر قبضہ تسلیم کر کے اسے نواب کا خطاب دیا کریم خان نے بھوپال کے نواب کے خاندان میں شادی کر کے خود کو ایک باعزت جاگیردار بنا لیا۔(15)

(5)

پنڈاریوں کی یہ وہ مختلف جماعتیں اور گروہ تھے جنہوں نے اپنے اپنے سرداروں کی ماتحتی میں محفوظ علاقوں پر قبضہ کر کے اردگرد کے علاقوں میں لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا ان کا دستور تھا کہ یہ ہمیشہ دسہرے کے موقع پر اپنی مہم شروع کرتے تھے ہندوستان کی یہ ایک قدیم رسم تھی کہ ڈاکو، ٹھگ اور چور اس تہوار پر لوٹ مار کیا کرتے تھے اور یہ امید کیا کرتے تھے کہ دسہرے کی دیوی ان کی مدد کرے گی۔ یہ لوٹ کے مال سے دیوی کو چڑھاوا بھی چڑھایا کرتے تھے۔(16) دسہرے کے بعد عام طور سے موسم خوشگوار ہوا کرتا تھا دریا پار کرنے کے لائق ہوتا تھا اور فصلیں تیار ہوا کرتی

تھیں۔ ان کے لوٹ مار کے علاقے مالوہ' مارواڑ' میواڑ اور راجپوتانہ ہوا کرتے تھے جب انہوں نے ان علاقوں میں لوٹ مار کر کے ان کے ذرائع کو ختم کر دیا تو اپنی توجہ برار' نظام و پیشوا کے علاقوں کی طرف کی۔(17)

جب وہ حملہ کرتے تو اپنا ایک سردار منتخب کرتے تھے جو "لبیریا" کہلاتا تھا یہ لوٹ مار کرنے والے علاقہ کے جغرافیہ سے بخوبی واقف ہوتا تھا۔ یہ جتھہ کے ساتھ اپنا جھنڈا لے کر چلتا تھا پنڈاری اپنی نقل و حرکت انتہائی خفیہ رکھتے تھے یہ ایک متعین مقام پر پہنچ کر مختلف جماعتوں میں منقسم ہو جاتے تھے اور لوٹ مار کرنے کے بعد ایک جگہ جمع ہو کر پھر واپس آتے تھے۔(18)

حملہ کرتے وقت جب یہ سفر کرتے تو ان کے پاس خیمہ اور سفر کا سامان نہیں ہوا کرتا تھا۔ ہر سوار اپنے کھانے کے لئے چند روٹیاں اور گھوڑے کے لئے دانہ ساتھ لے کر چلتا تھا ان کی مہم میں دو تین ہزار سوار ہوتے تھے ان کے پسندیدہ ہتھیاروں میں بانس کا بنا ہوا نیزہ ہوتا تھا جو بارہ سے اٹھارہ فٹ لمبا ہوتا تھا۔ چونکہ ضروری تھا کہ فوج میں بندوق بھی ہو اس لئے دستور تھا کہ ہر پندرھواں یا بیسواں آدمی بندوق سے مسلح ہوتا تھا ان کی پیش قدمی کی رفتار بہت تیز ہوتی تھی۔ 30 سے چالیس میل کا سفر دن میں طے کر لیتے تھے۔ انکے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ اچانک حملہ کر کے لوگوں کو حیران کر دیتے تھے اسی طرح حالات کے نا موافق ہونے پر وہ تیزی سے بھاگ بھی جاتے تھے کیونکہ ان کے حملوں کا مقصد محض لوٹ مار ہوا کرتا تھا وہ کسی اعلیٰ مقصد کے لئے جنگ نہیں کرتے تھے اس لئے ان میں سے کوئی بھی اپنی جان قربان کرنے پر تیار نہیں ہوتا کرتا تھا۔ حتی الوسع یہ بڑی لڑائی سے گریز کرتے تھے اور حملہ کی صورت میں پہلے ہی سے بھاگ جاتے تھے۔ یہ ایسے راستوں سے سفر کرتے تھے جس سے کوئی فوج نہیں گزر سکتی تھی اگر کوئی فوج ان کا تعاقب کرتی تو یہ منتشر ہو کر کسی مقررہ مقام پر جمع ہو جاتے۔ ان کے اہل و عیال' دوست اور رشتہ دار وسیع علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے جو پہاڑوں میں واقع تھے اس لئے انہیں مکمل طور پر تباہ کرنا یا شکست دینا بڑا مشکل کام تھا۔(19)

پنڈاری لوٹ مار میں ہر اس چیز کو لے لیتے تھے جو قیمتی اور اٹھائے جانے کے

قابل ہوتی تھی جو چیز وہ نہیں لے جا سکتے تھے اسے وہ تباہ کر دیتے تھے۔ جب وہ کسی علاقے میں داخل ہوتے تو باشندوں کو اس بات پر مجبور کرتے کہ ان کے گھوڑوں کی خدمت کریں۔ ان کے چارہ و پانی کا انتظام کریں۔ سامان اٹھا کر ان کے ساتھ چلیں جاتے وقت وہ گاؤں کو ضرور آگ لگا دیتے تھے لوٹ مار کے موقعوں پر یہ انتہائی ظلم کرتے اور جس کے بارے میں انہیں معلوم ہو جاتا کہ اس کے پاس دولت ہے اسے یہ اذیتیں دے کر پیسہ وصول کرتے اس سلسلہ میں انہوں نے اذیتوں کے مختلف طریقے ایجاد کر رکھے تھے مثلاً" ایک سزا یہ تھی کہ یہ تھیلے میں گرم راکھ رکھتے اور اسے اس شخص کے منہ پر باندھ دیتے۔ جسے سزا دینی مقصود ہو اس کے بعد تھیلی کو تھپکی مارتے جس سے راکھ اس کے منہ اور ناک کے ذریعے پھیپھڑوں تک پہنچتی جس سے وہ شخص سخت اذیت میں مبتلا ہو جاتا دوسرے طریقہ میں کسی شخص کو اوندھا لٹا کر اس پر کوئی وزنی چیز رکھ دیتے تھے اور دو آدمی اس پر کودتے۔ اس کے علاوہ لوہے کی گرم سلاخیں تلوے پر لگانا' زندہ جلانا اور کنویں میں پھینکنا ان کی سزائیں تھیں یہ اس شخص کو اس وقت تک اذیت میں مبتلا رکھتے جب تک وہ اپنی دولت کا پتہ نہیں بتا دیتا اس کے بعد وہ اسے اپنی ذاتی خدمت پر لگا لیتے بعض اوقات مردوں کو قتل کر کے عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے ساتھ لے جاتے تھے۔(20)

پنڈاری تمام لوٹ مار کے مال کو اپنے علاقوں میں لاتے اور سردار کے پاس جمع کراتے اس کے بعد اس کی تقسیم ہوتی۔ پہلے وہ اس ریاست کو حصہ دیتے جس میں وہ رہائش پذیر ہوتے اگر وہ کسی آزاد علاقہ میں ہوتے تو سردار کو مال کا چوتھائی حصہ ملتا تھا' ہاتھی پالکیاں اور قیمتی اشیاء بھی سردار کے پاس جاتی تھیں۔ اس کے بعد ان تاجروں کی رقم ادا کی جاتی جن سے اس مہم پر جانے سے پہلے قرضہ لیا جاتا تھا اس کے بعد تقسیم عام ہوتی تھی اور ہر پنڈاری کو اس کا حصہ ملتا تھا تقسیم کے بعد ہر فرد اپنا مال فروخت کے لئے پیش کرتا۔ جس کی وجہ سے ایک میلہ لگ جاتا تھا اور خریداری کے لئے اردگرد کے علاقے کے لوگ جوق در جوق آتے مال کی فروخت کا کام عورتیں کرتیں اور مرد تفریح میں مشغول ہو جاتے۔ یہ میلہ اس وقت تک لگتا جب تک کہ پورا مال فروخت نہیں ہو جاتا تھا اس کے بعد پھر دوسری مہم کی تیاری

شروع ہو جاتی تھی۔(21)

(6)

یہ تھا انیسویں صدی کا ہندوستان:

شکست خوردہ مغلیہ سلطنت' ٹکڑوں میں بٹی مرہٹہ طاقت' آئے دن کی خانہ جنگیوں سے تباہ و برباد چھوٹی چھوٹی ریاستیں' فوجی مہم جوؤں اور پنڈاریوں کی لوٹ مار ان سیاسی و معاشرتی حالات کا سب سے زیادہ فائدہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اٹھایا جنہوں نے برابر اپنی مقبوضات کو بڑھایا اور ہر اس طاقت کو ختم کر دیا جس سے انہیں ذرا بھی خطرہ تھا۔

پنڈاری اگرچہ مرہٹہ فوج کے ایک انتہائی غیر اہم فوجی حصہ سے شروع ہوئے تھے لیکن ہندوستان کے سیاسی حالات نے انہیں بھی ایک طاقت بنا دیا تھا ان کے سرداروں نے آہستہ آہستہ خود کو مرہٹہ طاقت سے آزاد کیا اور اپنی خود مختاری کو قائم کیا ان کا دوسرا بڑا کام یہ تھا کہ انہوں نے اپنے مسکن کے لئے محفوظ اور مضبوط علاقوں پر قبضہ کیا اور اپنی حیثیت نواب یا جاگیردار کی کر لی اس سے ان کا سماجی رتبہ بڑھا اور یہ محض ڈاکو اور لٹیرے نہیں رہ گئے جس وقت پنڈاری ہندوستان میں ایک طاقت بن ابھر رہے تھے تو ان کا مشہور سردار کریم خان تھا یہ سندھیا کی ملازمت میں تھا اور اس کوشش میں تھا کہ کوئی بڑی جاگیر لے کر کسی ریاست کا حکمران بن جائے۔
(22)

1806ء میں اس کے پاس 11 پرگنے تھے' نربدا کی وادی میں جہاں اس کی جاگیر تھی اس کا سالانہ ریونیو پندرہ لاکھ روپیہ تھا اس کے علاوہ ہمسایہ راجہ اسے اس بات کا پیسہ دیتے تھے کہ وہ ان کے علاقوں میں لوٹ مار نہ کرے' اس نے بھوپال کے علاقہ میں اپنے لئے ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا جو کریم گڑھ کے نام سے مشہور تھا۔(23) 1806ء میں جب سندھیا نے انگریزوں میں معاہدہ ہوا تو سندھیا اور کریم خان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کا ارادہ کیا اور اسے کسی بہانہ سے بلا کر قید کر دیا۔ یہ پانچ سال تک گوالیار کے قلعہ میں قید رہا لیکن اس قید کے باوجود اس کا درّہ تباہ نہیں ہوا' لیکن یہ

ضرور ہوا کہ اس کی غیر موجودگی میں دوسرے پنڈاری لیڈر خاص طور سے چیتو طاقتور ہو گیا۔

کریم خان کے بعد اس کے درہ کا سردار نامدار خان ہوا جس نے خاص طور پر سندھیا کی غداری کے نتیجہ میں اس کے علاقہ میں زبردست لوٹ مار کی۔ 1811ء میں کریم خان نے چھ لاکھ روپیہ دے کر سندھیا سے رہائی پائی۔ رہائی کے بعد کریم نے کوشش کی کہ تمام پنڈاری سرداروں کو جمع کر کے ان میں اتحاد پیدا کیا جائے چنانچہ اسی سال 25 ہزار پنڈاری جمع ہوئے اور کریم خان نے تجویز پیش کی کہ ناگپور پر حملہ کیا جائے۔ لیکن چیتو نے اس کی مخالفت کی کیونکہ اسے ناگپور کے راجہ کی جانب سے جاگیر ملی ہوئی تھی۔ چیتو کی مخالفت نے کریم خان کو کمزور کر دیا اس لئے جب سندھیا نے اس کے خلاف فوج بھیجی تو اسے شکست ہوئی اور وہ امیر خان (والی ٹونک) کے کیمپ میں چلا گیا۔ جہاں وہ 1816ء تک رہا اس شکست نے کریم خاں کو غیر اہم بنا دیا جب کہ دوسرے پنڈاری سردار، چیتو، دوست محمد، واصل محمد اور شیخ دتو طاقت ور ہو گئے۔ (23)

(7)

ابتداء میں پنڈاری برطانوی علاقے پر حملہ نہیں کرتے تھے اور نہ ان علاقوں میں لوٹ مار کرتے تھے لیکن جب ان کی طاقت بڑھی تو انہوں نے 1808ء اور 1809ء میں اور پھر 1812ء میں برطانوی علاقوں میں لوٹ مار کی جس کی وجہ سے برطانوی حکومت ان کی طرف متوجہ ہوئی اور ان کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ ان کی تنظیم، سردار، علاقے جہاں یہ رہتے تھے اور ان کی فوجی قوت، چارلس مٹکاف نے اس وقت ہندوستان کی ریاستوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا۔

1) وہ ریاستیں جو کمپنی کا تختہ الٹنا چاہتی تھیں اور اپنے علاقوں کو وسیع کرنا چاہتی تھیں۔

2) فوجی طاقتیں جو لوٹ مار کرتی تھیں اور تمام مستحکم ریاستوں کے خلاف تھیں خصوصیت سے کمپنی کی۔

3) چھوٹی ریاستیں جنہیں دونوں اول الذکر مل کر لوٹتی تھیں۔

پنڈاری ان میں سے دوسرے نمبر پر تھے۔ مٹکاف کے نزدیک پنڈاریوں کی اس وقت وہی حالت تھی جو مغلوں کے آخری عہد میں مرہٹوں کی تھی۔ اس لئے اس نے کہا کہ ہمیں تاریخ سے سبق سیکھنا چاہئے کیونکہ مرہٹوں کی وجہ سے مغلوں کا زوال ہوا اور کہیں پنڈاریوں کی وجہ سے کمپنی کا زوال نہ ہو جائے اگر برطانوی حکومت اپنے علاقے میں باشندوں کو امن و امان اور تحفظ دینے میں ناکام ہو گئی تو اس کا وقار ختم ہو جائے گا اور جگہ جگہ اس کے خلاف بغاوتیں شروع ہو جائیں گی۔

ابتداء میں بورڈ آف کنٹرول نے کمپنی کو پنڈاریوں سے جنگ کی اجازت نہیں دی لیکن بالآخر 1816ء میں اسے یہ اجازت مل گئی اور یہ طے ہوا کہ پنڈاریوں کے مرکز پر حملہ کیا جائے اور ان کا ہر جگہ تعاقب کر کے خاتمہ کیا جائے۔

پنڈاریوں کے خلاف حملہ سے پہلے کمپنی نے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو پنڈاریوں کے خطرے سے ڈرا کر اور تحفظ کا یقین دلا کر انہیں اپنے ساتھ ملایا۔ ان میں کیروانی' کوٹہ' بندھیل کھنڈ' جھانسی' بھوپال' جے پور' اودے پور اور جودھپور کی ریاستیں قابل ذکر ہیں گورنر جنرل لارڈ ہاسٹنگ نے پونا اور ناگپور سے تعلقات ٹھیک کئے اور سندھیا' ہولکر اور امیر خان سے بات چیت کر کے انہیں اپنے ساتھ ملایا۔(26)

1817ء میں پنڈاری تین دروں میں بٹے ہوئے تھے : چیتو کریم خان اور واصل محمد' انہیں جب یہ خبر ملی کہ انگریز ان کے خلاف حملہ کی تیاری کر رہے ہیں تو انہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ تمام پنڈاری سردار مل کر اپنا دفاع کریں مگر سرداروں کی باہمی رقابت نے انہیں متحدہ نہیں ہونے دیا۔ اس موقع پر نہ تو کوئی ریاست ان کی حمایت کے لئے تیار ہوئی اور نہ انہوں نے ان کے خاندانوں کی حفاظت کے لئے کوئی قلعہ دیا۔ 18-1817ء میں کمپنی نے پنڈاریوں کے خلاف مہم کا آغاز کیا چونکہ پنڈاری نہ تو باقاعدہ جنگ کے عادی تھے اور نہ ان کے سامنے کوئی واضح مقصد تھا اس لئے انہوں نے فوری طور پر ایک ایک کر کے ہتھیار ڈالنا شروع کر دیئے۔ نامدار خان وہ پہلا شخص تھا' جس نے اس شرط پر ہتھیار ڈالے کہ اسے یورپ یا کلکتہ نہیں بھیجا جائے گا۔ کریم خان نے خود کو جان مالکم کے حوالے کر دیا اسے ضلع گورکھ پور میں کچھ

زمین دے دی گئی جہاں اس نے بقایا زندگی خاموشی سے گزار دی۔(27)واصل محمد
ازی پور میں قید ہوا اس نے انگریزوں کی شرائط پر رہا ہونے سے انکار کر دیا اور جیل
ے فرار ہونے کی کوشش کی جس میں اسے ناکامی ہوئی بعد میں اس نے زہر کھا کر خود
ئی کرلی۔(28)

چیتو وہ آخری پنڈاری سردار تھا جس نے نہ تو مفاہمت کی اور نہ خود کو
ریزوں کے حوالے کیا بلکہ آخری وقت تک لڑتا رہا۔ مسلسل شکستوں نے اس کی
ج ٹکڑے ٹکڑے کر کے ختم کر دی۔ آخر میں وہ اپنے تین چالیس ساتھیوں کے
راہ ارداس کے گھنے جنگلوں میں چھپتا پھرا' پھر بھوپال آیا یہاں سے وہ مایوس ہو کر
دیش و دکن چلا گیا اور پیشوا کے عرب فوجیوں کے ساتھ' جو مرہٹہ فوج سے نکالے
ئے تھے' شامل ہو گیا۔ انگریزوں نے اس کا تعاقب جاری رکھا۔ 1818ء میں وہ مہادیو
، جنگلات میں غائب ہو گیا۔ 1819ء میں اس نے مرہٹہ سردار آپا صاحب کے ساتھ
کر اسیر گڑھ کے قلعہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی آخر میں ستواس کے جنگلوں میں
گیا جہاں وہ ایک شیر کا شکار ہوا اس کا انجام ایک بہادر' نڈر اور بے خوف سپاہی کا
جس نے آخر وقت تک شکست تسلیم نہیں کی۔(29)

(8)

ایسٹ انڈیا کمپنی نے پنڈاریوں کے خلاف جو مہم چلائی اس کے ہندوستان کی
ریخ پر گہرے اثرات مرتب ہوئے برطانوی حکومت کسی نہ کسی بہانہ سے مرہٹہ
ت کو ختم کرنا چاہتی تھی اس لئے اس نے پنڈاریوں کا سہارا لیا اور الزام لگایا کہ
اری ان کی حمایت کی وجہ سے برطانوی علاقے میں لوٹ مار کر رہے ہیں۔ اس لئے
۔ انگریزوں نے مرہٹوں سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ پنڈاریوں کو اپنے علاقوں سے نکال
ں تو یہ ایک ناممکن چیز تھی کیونکہ پنڈاری مرہٹہ فوج کا ایک حصہ تھے چنانچہ کمپنی
اس مہم سے بہت فائدے اٹھائے:

چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے حفاظت کے معاہدے کئے۔
سندھیا کو مجبور کیا کہ وہ کمپنی کا ساتھ دے اس سے اس کی سیاسی حیثیت

ختم ہو گئی۔

(3 ہلکر کو مجبور کیا کہ ساتھ دے ورنہ اس کی ریاست ختم کر دی جائے گ
پنڈاریوں کے خاتمے نے ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے وقار میں اضافہ ک
دیا اور ہندوستانی عوام کو اس بات کا احساس ہوا کہ نواب' راجہ اور ہندوستا
حکمران انہیں پنڈاریوں کی لوٹ مار سے کوئی تحفظ نہیں دے سکے اور یہ تح
انہیں کمپنی نے دیا جو اس بات کی علامت تھی کہ کمپنی کے علاقہ میں امن
امان اور حفاظت کے ساتھ زندگی گزاری جا سکتی ہے۔ ہندوستان کے عوام ک
اس بات کا بھی احساس ہوا کہ کمپنی ایک فوجی طاقت ہے جو ہر اس تحریک
گروہ کو ختم کر سکتی ہے جو ان کے علاقہ میں امن و امان کو ختم کرنا چا
ہوں کمپنی کی اس پالیسی نے اسے ہندوستان میں حفاظت' خوش حالی اور ام
کی علامت بنا دیا۔

حوالے

(1) le, Henry and A. Burnell :Habson Jabson, London, 1969, P.P.711-712.

(2) مالکم - (حصہ اول) ص 433

(3) ہابسن جابسن : ص 712

uff, J.G. :A History of the Mahrattas: Calcutta. 1912 III, P.389;

eeman, W.H. embles and Recollections the Indian Official. rachi, 1973, P.367.

(5) ایضاً": ص 297

(6) ڈف حصہ سوم ص 325

(7) مالکم حصہ اول ص 432-433

(8) ایضاً": ص 434

(9) ایضاً" ص 436

(10) ایضاً": ص 436

(11) ایضاً : ص 437-436

(12) ایضاً : ص 438-437

(13) ایضاً : ص 440

(14) ایضاً : ص 443-441

(15) ایضاً ص 451-449

(16) سلیمن : ص 297-292

(17) ڈف (حصہ سوم) ص 330-329

(18) Burton, R.G. :Wellington's Compaigns in India, Calcutta, 1908, P.P.147-148.

(19) مالکم : (حصہ اول) ص 432-430

ڈف (حصہ سوم) ص 328

Princep, H.T. :History of the political and Military Transaction in India, during the Administ-ration of the Marquess of Hastings (1813-28) London 1825. I.P.389;

Muir Ramsay.:The making of British India. Lahore 1918 P.P.256-257.

Thornton, E. :The History of the British Empire in India. London 1848. PP 418-19

برٹن : ص 148

(20) میسور : ص 260-259 برٹن : ص 150-148 ڈف (حصہ سوم) ص 329 پرنسپ (حصہ اول) ص 40-39

(21) برٹن : ص 149-148 - تھورن ٹن ص 421-420

(22) پرنسپ (حصہ اول) ص 42-41

(23) ایضاً : ص 43

(24) ایضاً : ص 48-44 ڈف (حصہ سوم) ص 326-325

(25) تھورن ٹن : (حصہ چہارم) ص 214-213

(26) پرنسپر (حصہ اول) ص 333-330 412-411

(27) ایضاً ص 156 مالکم (حصہ اول) ص 460-459

(28) پرنسپ ص 150

(29) ایضاً: (حصہ دوم) ص 151-153

مالکم (حصہ اول) ص 444-447

گیارھواں باب

یورپی فوجی مہم جو

جب مغلیہ سلطنت کی مضبوط اور مستحکم عمارت میں دراڑیں پڑنا شروع ہوئیں تو اس کے ساتھ ہی ریاست کے وہ تمام ادارے جو حکمران طبقہ کی حفاظت کے لئے وجود میں آئے تھے آہستہ آہستہ کمزور ہونا شروع ہو گئے ان اداروں کی کمزوری نے لاقانونیت کو پیدا کیا جس کے نتیجہ میں لوٹ مار' قتل و غارت گری اور تباہی و بربادی معاشرے میں جائز قرار پائی۔ حفاظت اور لوٹ مار کی غرض سے نوابوں اور راجاؤں اور امیروں نے اپنی نجی فوجیں رکھنا شروع کیں جس کی وجہ سے فوج ایک صنعت کے طور پر ابھری اور بے روز گار جوق در جوق ملازمت کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے لگے ان حالات میں ایسے مہم جو پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی نجی فوجیں تیار کیں یہ اپنی فوجوں کے ساتھ ہندوستان میں ملازمت کی تلاش میں پھرتے تھے ان کی حیثیت کرایہ کے فوجیوں کی ہوتی تھی اور جہاں سے انہیں زیادہ پیشکش ملتی تھی یہ اسے قبول کر لیتے تھے ان کے نزدیک جنگ کا کوئی اخلاقی سیاسی و سماجی جواز نہیں ہوا کرتا تھا یہ محض پیسے اور لوٹ مار کی خاطر جنگ لڑتے تھے ان سپاہیوں کی کوئی تنخواہ بھی مقرر نہیں ہوتی تھی بلکہ جو معاوضہ ان کے سردار کو ملتا تھا اس میں سے انہیں بھی حصہ مل جاتا تھا۔

جب کوئی مہم جو سردار فوج اکٹھی کرتا تو اس کی حیثیت ایک یونین یا جماعت کی ہوتی تھی۔ وہ کسی مہم کے معاوضہ میں جو بھی وصول کرتا اسے اپنے فوجیوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ فوج کے سردار کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ہر حالت میں اپنے سپاہیوں کے گزارے کا بندوبست کرے ان کی تنظیم میں جمہوریت کی فضا ہوتی تھی' سردار اور عام فوجیوں میں زیادہ فرق نہیں روا رکھا جاتا تھا اور نہ ہی فوج میں افسر اور عام سپاہی کی درجہ بندی تھی۔ کیونکہ کرایہ کے ان سپاہیوں میں چاہے وہ سردار ہو یا عام سپاہی

سب ملازمت کی تلاش میں نکلے ہوتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی مراعات یافتہ طبقہ بنانے کی کوشش نہیں کرتا تھا فوجی سردار کی عزت محض اس وجہ سے ہوتی تھی کہ وہ بہادر اور شجاع ہو اور اپنے ساتھیوں کی حفاظت و روزگار کا خیال رکھے اگر وہ ان کے روزگار کا تحفظ نہیں کر سکتا تھا تو فوجی اسے چھوڑ کر کسی دوسرے فوجی مہم جو کے پاس چلے جاتے تھے۔

ہندوستان کی سیاسی صورت حال کی وجہ سے ان فوجی مہم جوؤں کو برابر ملازمت کی پیشکش آتی رہتی تھی۔ اس قسم کی فوجوں میں ذات پات یا مذہب و ملت کی کوئی قید نہیں ہوتی تھی اور انہیں ملازمت کے دوران جس قسم کے کام کو کہا جاتا یہ اسے پورا کرتے تھے انہیں اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا کہ کون حق پر ہے اور کون غلطی پر؟ اس طرح ان کی وفاداری بھی بالکل عارضی ہوتی تھی جیسے ہی یہ ملازمت چھوڑتے تو پھر اس سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے تھے۔

ملک کی خانہ جنگیوں سے ان فوجی مہم جوؤں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا وہ فوجی سردار جس کی فوجی صلاحیتوں کی زیادہ شہرت ہوتی اسے ہر جانب سے زیادہ معاوضہ پیش کیا جاتا اس لئے اکثر ایسا بھی ہوتا کہ آج جس کے ملازم ہیں کل اسی کے خلاف زیادہ پیسہ ملنے پر جنگ کر رہے ہیں۔ جب انہیں کوئی ملازمت نہیں ملتی تو وہ اپنے طور پر گاؤں کو لوٹتے اور ان پر جرمانہ عائد کر کے پیسے وصول کرتے۔ ہندوستانی فوجی مہم جو سردار کبھی بھی زیادہ دولت اکٹھی نہیں کر سکے کیونکہ جب بھی انہیں کسی مہم کا معاوضہ یا جنگ میں مال غنیمت ملتا تو اسے فوراً" اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ بیکاری کے زمانہ میں انہوں نے جو بھی پس انداز کیا ہوتا وہ بھی خرچ ہو جاتا تھا اکثر ایسا بھی ہوتا کہ فوجیوں کو تنخواہ نہ دینے پر انہیں ذلت بھی اٹھانا پڑتی کیونکہ یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ فوجیوں کو روزگار فراہم کریں اس لئے یہ چرب زبانی اور جھوٹے وعدوں پر فوجیوں کو اپنے ساتھ رکھتے۔ لہٰذا ایک فوجی سردار کے لئے چرب زبان اور جھوٹے وعدوں کا ماہر ہونا بھی ضروری تھا۔

ان فوجیوں کی زندگی اور رہن سہن کا ہندوستان کی سماجی اور معاشرتی زندگی پر اثر پڑا۔ یہ فوجی مذہب و ملت کی تخصیص کے بغیر ملازمت کرتے تھے۔ لہٰذا کیمپ میں

ہر ذات و مذہب کے سپاہی اکٹھے رہا کرتے تھے۔ اس لئے ان فوجی کیمپوں میں کہیں بھی فرقہ واریت یا نسلی و مذہبی تعصب کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ معاشی ضروریات نے ان سب کو ایک صف میں لا کھڑا کر دیا تھا۔

(1)

اٹھارویں صدی میں مقامی فوجی مہم جوؤں کے ساتھ ساتھ یورپی فوجی مہم جوؤں کا طبقہ بھی وجود میں آیا جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ میں انتہائی اہم کردار ادا کیا یورپ کے یہ فوجی مہم جو جو ہندوستان کی دولت کے قصے سن کر یہاں آئے تھے محض کرایہ کے سپاہی تھے ان کا مقصد ہندوستان سے زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کر کے واپس وطن جانا ہوتا تھا۔ اس لئے ان میں نمک حلالی اور وفاداری کا جذبہ موجود نہیں ہوتا تھا۔ ان یورپی فوجی مہم جوؤں کی بہت جلد پورے ہندوستان میں زبردست مانگ ہو گئی کیونکہ یورپ فوجی مہارت اور تکنیک میں ہندوستان سے بہت آگے بڑھ چکا تھا اس لئے ان یورپی افسروں نے جب اہل ہندوستان کو یورپی انداز میں تربیت دے کر فوجی کامیابیاں حاصل کیں تو ریاست کے حکمرانوں میں ان یورپی افسروں کی شہرت ہوئی اور ہر ریاست نے اس بات کی کوشش کی کہ ان یورپی افسروں کو ملازم رکھ کر اپنی فوج کو جدید یورپی انداز میں تربیت دے۔(1)

ابتدائی یورپی فوجی مہم جو فرانسیسی تھے جو مغل بادشاہ' اودھ کے نواب' دکن کے صوبیدار نظام الملک' میسور کے حیدر علی اور ٹیپو سلطان' راجپوتانہ کی ریاستوں اور مرہٹہ سرداروں کے ہاں ملازم ہوئے یہ دور 1784ء سے شروع ہوا اور 1803ء تک رہا چونکہ ان ریاستوں میں کام کرنے والے اکثر فرانسیسی فوجی تھے اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس بات کا خطرہ ہوا کہ کہیں فرانس ان فرانسیسی افسروں کے ذریعے ہندوستان میں اپنا اقتدار نہ قائم کر لے۔(2)شاید کمپنی کو اس بات کا خطرہ ہو کہ فرانسیسیوں نے امریکہ کی جنگ آزادی میں جو سبق سیکھا تھا وہ اسے ہندوستان میں استعمال کرنا چاہتے ہوں : یعنی انگریزوں سے مقابلہ' ہندوستانی حکمرانوں کی فوج کو ایسی ہی تربیت دینا جیسے امریکہ اور کینیڈا میں انہوں نے ریڈ انڈین کو دی تھی۔(3)

ان یورپی فوجی مہم جوؤں کو دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے' ایک وہ جو 1803ء میں مرہٹوں کی شکست کے بعد ختم ہوا جس میں آخری یورپی تربیت یافتہ مرہٹہ فوج کو انگریزوں کے ہاتھوں شکست ہوئی دوسرا وہ دور ہے جو انیسویں صدی میں سکھوں کے دربار میں شروع ہوا یہ 36 سال تک جاری رہا اور سکھوں کی طاقت کے بعد ختم ہوا۔(4)

ان فوجی مہم جوؤں میں تمام یورپی اقوام کے افراد شامل ہوتے تھے' انگریز' اطالوی' ڈچ' آئرش' اسکاٹس' فرانسیسی' جرمن' یونانی' امریکی' آرمنی اور یہودی۔ ہندوستان میں یورپی اور مقامی شادی بیاہ کے نتیجہ میں دوغلوں کی ایک نسل پیدا ہوئی جنہیں یوریشین کہا جاتا تھا۔ان میں جو مشہور مہم جو ہوئے وہ اسکنز' ہو پکنس' اسمتھ برادرز' ویلیرس' اسٹیوارٹ اور برچ تھے۔ کپلنگ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"Drilled a blackman white and made coward fight."

ہندوستانی ریاستوں کے حکمران فرانسیسیوں پر زیادہ بھروسہ کرتے تھے اور کمپنی کی بڑھتی ہوئی طاقت کی وجہ سے یہ خیال کرتے تھے کہ یہ ان کی فوج کو تربیت دے کر انہیں انگریزوں کے خطرے سے محفوظ رکھیں گے۔(5)

میجر امبروز نے ان فوجی مہم جوؤں کے بارے میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں ایسے فوجی مہم جو ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرتے رہتے ہیں اور ایک حکمران کے پاس سے دوسرے حکمران کے پاس جاتے رہتے ہیں ان کا مقصد محض دولت کمانا ہے انہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ وہ کس کی ملازمت کر رہے ہیں۔ ہندوستان کے فوجیوں کا بھی یہی حال ہے جو انہیں تنخواہ دے وہ اس کی ملازمت اختیار کر لیتے ہیں اس لحاظ سے ہندوستانیوں کو "دنیا کا شہری" کہا جا سکتا ہے۔ انہیں کسی ملک' کسی حکمران یا کسی خطہ سے کوئی تعلق نہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ باپ بیٹے اور بھائی مختلف حکمرانوں کی ملازمت میں ہیں اور میدان جنگ میں ایک دوسرے کے خلاف لڑ رہے ہیں۔(6)

ان یورپی فوجی مہم جوؤں کا اولین مقصد دولت اکٹھی کرنا ہوتا تھا دولت جمع کرنے کے جو ذرائع تھے ان میں حکمرانوں کی جانب سے دیئے ہوئے تحائف اور نقد رقوم، تنخواہ، جائیداد کی آمدنی اور مال غنیمت ہوا کرتے تھے۔ ان میں جو زیادہ ہوشیار تھے۔ وہ تجارت میں پیسہ لگا کر مزید دولت کماتے تھے۔ جب یہ مہم جو لوٹ مار، تنخواہ اور جائیداد کے ذریعے کثیر رقم اکٹھی کر لیتے تو ریٹائرڈ ہو کر یا تو اپنے ملک چلے جاتے یا ہندوستان میں رہائش اختیار کر کے پرامن زندگی گزار دیتے کبھی کبھی انہیں اتفاقاً" کثیر رقم ہاتھ لگ جاتی تو یہ فوراً" ریٹائرڈ ہو کر چلے جاتے مثلاً" جب غلام قادر روہیلہ دہلی سے بھاگا تو ایک یورپی افسر لیس ٹی نے اس کا تعاقب کیا اور اسے وہ تمام ہیرے، جواہرات و رقوم ہاتھ لگیں جو غلام قادر نے دہلی سے لوٹی تھیں۔ وہ اس کے بعد فوجی زندگی سے کنارہ کش ہوا اور بقایا زندگی آرام سے گزار دی۔(7)

ان یورپی مہم جوؤں میں ایسے بھی نظر آتے ہیں جن کا مقصد محض دولت ہی جمع کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ اپنے پیسہ سے مایوس ہو کر اس پیشہ کو اختیار کرتے تھے۔ ان میں اکثر ایسے بھی تھے جن کا مقصد محض فوجی مہم جوئی ہوا کرتا تھا۔ ان ابتدائی فوجی مہم جوؤں کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی تھی کہ انہوں نے خود کو مکمل طور پر ہندوستانی تہذیب و تمدن میں ضم کر لیا تھا ان میں اکثر کے نام ہندوستانی ہو گئے تھے مثلاً" : رائن ہارڈٹ نے اپنا نام "سمرس" رکھا اور وہ اس سے سمرو ہو گیا جارج ہے سنگ (HESSING) "جورس صاحب" لوئی بورژین (Louis Bourguien) "لوئی صاحب" جارج ٹامس "جہازی صاحب" یا "جارج بہادر" جیمس شیفرڈ "جیمس صاحب" رابرٹ سندھرلینڈ "ستلج صاحب" کیپٹن سیم (SYMES) "سنک صاحب" کیپٹن براؤن رگ "برندی صاحب" پیرون "پیرو" اور ا سکنر "سکندر صاحب" کے ناموں سے مشہور ہوئے۔(8)

انیسویں صدی میں جو یورپی رنجیت سنگھ کی فوج میں ملازم ہوتے تھے ان سے ملازمت کے وقت ایک معاہدہ کیا جاتا تھا جس کے تحت یہ شرائط ہوتی تھیں کہ وہ شادی کر کے خود کو ہندوستانی ماحول میں ضم کر لیں گے، گائے کا گوشت نہیں کھائیں گے، پبلک میں تمباکو نوشی نہیں کریں گے، داڑھیاں رکھیں گے اور سکھ مذہب کی بے

حرمتی نہیں کریں گے۔ اگر ضرورت پڑے تو اپنے ملک کے خلاف بھی لڑیں گے۔(9)

(2)

اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ مغل بادشاہوں کی فوج میں یورپی فوجی تھے۔ خاص طور سے توپ خانہ میں - لیکن اس وقت تک یورپی فوجیوں کی زیادہ اہمیت نہیں تھی ان کی اہمیت آخری عہد میں ہوئی جبکہ ہر حکمران کو ایک بہترین تربیت یافتہ فوج کی ضرورت ہوتی تھی۔ پلاسی کی جنگ میں سراج الدولہ کے پاس فرانسیسی تربیت یافتہ توپ خانہ تھا۔ اودھ کے نواب کی ملازمت میں "لا" نامی ایک افسر تھا جو مقامی طور پر "مشیر لاس" کہلاتا تھا۔(10) ابتدائی کرایہ کے فوجیوں میں جن کے نام آتے ہیں ان میں : مرکر' آرمنی' رائن ہارڈٹ' جرمن اور میڈوک فرانسیسی تھے۔(11) رائن ہارڈٹ پہلا فوجی مہم جو ہے جس کے بارے میں ہمیں پوری معلومات ملتی ہیں اس نے اپنی پرائیویٹ فوج کو منظم کیا اور ہر اس حکمران کی پیشکش کو قبول کیا جس نے اسے زیادہ سے زیادہ پیسے دیئے۔(12) رائن ہارڈٹ کے بعد جو شخص مشہور ہوا وہ میڈوک تھا۔ یہ شخص جاہل مطلق تھا۔ اس نے مختلف حکمرانوں کی ملازمت اختیار کی اور کافی پیسہ کما کر یورپ چلا گیا۔(13)

رائن ہارڈٹ اور میڈوک کے بعد جو یورپی فوجی مہم جو آئے انہیں تین درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے پہلی قسم میں وہ لوگ آتے ہیں جو ماہر اور تجربہ کار فوجی تھے ان کی اکثریت فرانسیسیوں کی تھی ان میں جو مشہور ہوئے وہ یہ تھے : جان ہے سنگ' کرنل فری موں اور ڈڈرینس جو مقامی طور پر "حضور بیگ" کے نام سے مشہور ہوا۔(14) دوسری قسم میں انگریز آتے ہیں جن میں دو بہت مشہور ہوئے : ولیم گارڈنر اور ویلکس اسمتھ(15) تیسری قسم میں وہ فوجی مہم جو آتے ہیں جو بھگوڑے تھے۔ ان میں سے اکثر جہاز سے بھاگ کر آئے تھے۔ یہ ان پڑھ جاہل اور اکھڑ فوجی ہوا کرتے تھے ان میں سے دو بہت مشہور ہوئے جارج ٹامس اور پیرون۔(16)

(3)

جارج ٹامس کی ان کارروائیوں کا اگر مطالعہ کیا جائے جو اس نے ہندوستان

میں بحیثیت ایک فوج مہم جو کے کیں تو اس سے ہندوستان کی اٹھارہویں و انیسویں صدی کی سیاسی حالت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ٹامس نے دوسرے فوجی مہم جوؤں سے علیحدہ ہٹ کر راستہ اختیار کیا اگرچہ آخر میں اسے ناکامی ہوئی۔ لیکن ہندوستان کی تاریخ میں اگرچہ نمایاں نہ سہی اس کا نام ضرور آتا ہے۔ وہ پہلا یورپی فوجی مہم جو تھا جس نے اپنی زندگی کو منظم کیا اور مختلف ہندوستانی حکمرانوں کی ملازمت کی اور آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ خود کیوں نہ اپنی آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرے۔ جہاں وہ دوسروں کے لئے جنگ کرتا ہے کیوں نہ خود اپنے لئے جنگ کرے۔

جارج ٹامس 1780ء یا 1781ء میں ہندوستان آیا۔ 1797ء تک اس کی زندگی حالت جنگ میں گزری۔ اس دوران میں اسے ہندوستان کے حالات اور ہندوستان کی ذہنیت کو سمجھنے کا موقع ملا اس نے دکن میں نظام علی خان اور ہندوستان میں بیگم سمرو سے لے کر بہت سے مرہٹہ سرداروں کی ملازمتیں کیں۔ آخر میں وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اپنی ایک آزاد حکومت قائم کی جائے اس مقصد کے لئے اس نے ہریانہ کو منتخب کیا۔ ہریانہ کا علاقہ جھجر کے شمال مغرب میں واقع ہے اس وقت ہانسی اس کا مرکزی شہر تھا۔ ٹامس کے وقت میں یہ شہر اجاڑ ہو چکا تھا لہٰذا اس نے اس وجہ سے اس جگہ کو پسند کیا۔ 1797ء میں اس نے "کنہوری" پر حملہ کر دیا جہاں کے باشندوں نے اس کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ ٹامس نے جلد ہی مقامی باشندوں کو شکست دے کر ہریانہ پر قبضہ کر لیا اور ہانسی کو اپنا مرکزی مقام بنایا اس نے قلعہ کی مرمت کرائی اور شہر کی فصیلوں کو درست کرایا جس کی وجہ سے یہ شہر جو سنسان اور غیر آباد تھا بہت جلد آباد ہونا شروع ہو گیا اس نے اپنی ریاست کے دفاع کے لئے فوج کی تعداد بڑھائی اور اپنا سکہ ضرب کرایا۔ ٹامس نے اپنی حکومت میں پہلا کام یہ کیا کہ اپنے سپاہیوں کے لئے پنشن کا بندوبست کیا۔ جو جنگ میں زخمی ہوجاتے انہیں معاوضہ ادا کیا جاتا تھا اور جو لڑتے ہوئے مارے جاتے تھے ان کے بیوی بچوں کو آدھی تنخواہ دی جاتی تھی۔

ہریانہ میں اپنی سلطنت کو قائم کرنے کے بعد اس کا منصوبہ پنجاب کو فتح کرنا تھا۔ لیکن اسے یہ مہم مشکل نظر آئی اس لئے اس نے جے پور پر حملہ کیا اس نے اس

بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ ہندوستان کی سیاسی صورت حال میں یہ ضروری تھا کہ مسلسل جنگ کے ذریعہ فوج کو مصروف رکھا جائے اور ہمسایوں کو دہشت زدہ کر کے ریاست کا دفاع کیا جائے اس لئے اس نے راجپوتانہ میں مسلسل لوٹ مار جاری راجپوتانہ کے بعد اس کی لوٹ مار کا میدان پنجاب کی سکھ ریاستیں تھیں۔(17)

ٹامس کی بڑھتی ہوئی طاقت نے دولت راؤ سندھیا اور اس کی فوج کے فرانسیسی کمانڈر پیرون کو خطرہ کا احساس دلایا اول سندھیا نے اسے ملازمت کی پیشکش کی جسے اس نے قبول نہیں کیا۔ جنرل پیرون جو ہندوستان میں فرانسیسی اقتدار کے لئے کوشش کر رہا تھا اسے ٹامس کی موجودگی میں جس سے برطانوی اقتدار کو مدد ملتی تھی خطرہ نظر آیا۔ اس لئے اس نے سندھیا کی مرضی سے یہ فیصلہ کیا کہ ٹامس کی طاقت کو ختم کر دیا جائے چنانچہ اس کے مقابلہ کے لئے بورژین کو بھیجا گیا جس نے ٹامس کو مسلسل شکستیں دے کر اس سے صلح کر لی اور یہ 1801ء میں ہانسی شہر خالی کر کے انوپ شہر کی طرف چلا۔ اس وقت اس کے پاس ایک لاکھ روپیہ مالیت کی چیزیں تھیں انوپ شہر سے یہ بنارس آیا۔ جہاں اس کی ملاقات کیپٹن فرینکلس سے ہوئی جسے اس نے اپنی یاد داشتیں لکھوائیں اگرچہ اس کی خواہش آئرلینڈ جانے کی تھی مگر وہ 22 اگست 1802ء میں بہرام پور میں مرا ہندوستان میں رہ کر اس نے ہندوستان عادات اختیار کر لیں تھیں وہ اردو فارسی زبانیں روانی سے بولتا تھا اور اپنا حرم بھی رکھتا تھا۔(18)

(4)

یورپی فوج مہم جوؤں میں دو فرانسیسیوں نے بڑی شہرت حاصل کی ان میں سے ایک ڈی بوئی تھا اور دوسرا پیرون - ڈی بوئی 1751ء میں سوائے میں پیدا ہوا' ابتداء میں اس نے فرانس اور روس میں فوجی ملازمتیں کیں 1778ء میں ہندوستان آیا اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی میں کسی بھی یورپی کو ملازم رکھ لیا جاتا تھا اس لئے اسے بھی لیفٹننٹ کا عہدہ مل گیا۔ اس عرصہ میں اس نے کمپنی کے فوجی انتظام کا بغور مطالعہ کیا اور فوجی معلومات اکٹھی کیں۔ 1783ء میں یہ ملازمت چھوڑ کر آگرہ پہنچا اور وہاں سے کلکتہ' جہاں وارن ہسٹنگز' گورنر جنرل نے اسے مقامی حکمرانوں اور کمپنی کے ریزیڈنٹوں کے نام

سفارشی خطوط دیئے یہ وہاں سے لکھنؤ آیا۔ اس وقت ہندوستان کے درباروں میں یہ روایت تھی کہ اگر کوئی یورپی کمپنی کے سفارشی خط کے ساتھ آتا تو اسے خلعت دیا جاتا تھا۔ ڈی بوئی کو اس وجہ سے لکھنؤ کے دربار سے خلعت ملی جو اس نے چار ہزار روپیہ میں فروخت کر دی۔(19)اس سے ڈی بوئی کے پاس کافی رقم ہو گئی وہ پانچ مہینہ لکھنؤ میں ٹھہرا اور یہاں اس نے فارسی و اردو زبانیں سیکھیں۔

لکھنؤ سے ڈی بوئی دہلی کی جانب روانہ ہوا' لیکن آگرہ پہنچ کر اسے اطلاع ملی کہ مادھو جی سندھیا' مرہٹہ حکمران نے گوالیار کا محاصرہ کر رکھا ہے یہ سن کر وہ اس سے ملنے کے لئے گوالیار چلا گیا۔ راستہ میں ڈاکوؤں نے اس کا سامان اور کاغذات چوری کر لئے بعد میں اسے پتا چلا کہ چوری سندھیا کے آدمیوں نے کی ہے۔

ڈی بوئی اس حقیقت کے معلوم ہو جانے کے بعد سیدھا سندھیا کے پاس گیا اور اس سے اپنی گمشدہ چیزوں کا مطالبہ کیا اس پر اسے کاغذات کے علاوہ دوسری چیزیں واپس مل گئیں۔

ڈی بوئی نے ان حالات میں جبکہ اس کے پاس پیسے ختم ہو گئے تھے یہ فیصلہ کیا کہ وہ کرایہ کے فوجی کی حیثیت سے مقامی حکمرانوں کی ملازمت اختیار کرے۔ وہ ابھی اسی شش و پنج میں تھا کہ اسے مادھو جی سندھیا نے ملازمت کی پیشکش کی جسے اس نے فوراً" قبول کر لیا۔ یہ طے پایا کہ وہ ایک فوج تیار کرے' سپاہی کی تنخواہ 8 روپیہ ماہوار ہو گی اور اسے ایک ہزار ماہانہ ملیں گے لیکن جب ڈی بوئی نے بھرتی شروع کی تو ان کی تنخواہ ساڑھے پانچ روپیہ مقرر کی۔

ڈی بوئی 11 برس تک مادھو جی سندھیا اور دولت راؤ سندھیا کی جانب سے شمالی ہندوستان کا نائب یا وائسرائے رہا اس نے جب اپنی فوج کی تنظیم کی تو اس بات کا خیال رکھا کہ ہر سپاہی کو پابندی سے تنخواہ ملے۔ یہ ہندوستان میں ایک نئی بات تھی لیکن اس کی وجہ سے اس کی فوج میں کبھی بغاوت نہیں ہوئی۔(20)اس کی فوج میں تقریباً" 300 یورپی' مخلوط نسل اور کمپنی سے بھاگے ہوئے سپاہی بھی تھے۔(21)

ڈی بوئی کی اپنی تنخواہ 4 سے 6 ہزار تک پہنچ گئی تھی آخر میں یہ دس ہزار ماہوار ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ اسے جائیداد اور دوسرے ذرائع سے کافی آمدنی ہوتی

تھی۔(22)

ڈی بوئی کا یہ کارنامہ ہے کہ اس نے ہندوستانی فوج میں جو اصلاحات کیں اٹھارہویں صدی کے ہندوستان میں ان کا تصور بھی ناممکن تھا۔ مثلاً:

_____ افسر اور سپاہی جو جنگ میں زخمی ہو جاتے انہیں مالی امداد دی جاتی تھی۔

_____ جو مستقل معذور ہو جاتے انہیں جاگیر یا زمین کا ٹکڑا دے دیا جاتا تھا۔

_____ جو جنگ میں مر جاتے تھے ان کے خاندان کو مالی امداد دی جاتی تھی۔

_____ میدان جنگ میں زخمیوں کے لئے بھی طبی شعبہ تھا جس میں ایمبولینس بھی ہوتی تھی۔(23)

1895ء میں جب ڈی بوئی ریٹائر ہو کر گیا ہے تو اس کے پاس 4 لاکھ پاؤنڈ کی خطیر رقم تھی اس نے اپنے قیام کے دوران ایک ہندوستانی عورت سے شادی کی تھی جس سے اس کا ایک لڑکا علی بخش اور ایک لڑکی بانو تھی۔ یہ دونوں اس کے ساتھ فرانس گئے۔(24)

ڈی بوئی کے جانے کے بعد اس کا جانشین پیرو ہوا جو 1780ء میں ہندوستان آیا تھا۔ یہ سندھیا کے شمالی علاقوں کا خود مختار صوبیدار ہوا اس کے پاس دوآبہ کی زرخیز زمین' سہارنپور' پانی پت' دہلی' نارنول' آگرہ اور اجمیر کے صوبہ تھے جن کی آمدنی وہ وصول کرتا تھا جے پور جودھپور اور راجپوتانہ کے حکمران اسے خراج دیتے تھے۔ اس کا سالانہ ریونیو 16 لاکھ 32 ہزار پاؤنڈ تھا۔ شاہ عالم' مغل بادشاہ' اس کے قبضہ میں تھا جس کے ذریعے وہ اپنی پسند کے فرمان جاری کرتا تھا۔(25) مرہٹہ کمانڈر ان چیف کی حیثیت سے اس کی تنخواہ پندرہ ہزار روپیہ ماہانہ تھی اس کے ماتحت صوبوں سے جو ریونیو ملتا تھا اس پر اس کا 5 فیصد مقرر تھا ہر ریاست سے معاہدے کے وہ 25 فیصد نذر وصول کرتا تھا۔ اس طرح اس کی ماہانہ آمدنی ایک لاکھ روپیہ تھی جب وہ ہندوستان سے گیا تو اس کے پاس 5 لاکھ پاؤنڈ کا اثاثہ تھا۔(21)

(5)

ان یورپی فوجی مہم جوؤں کا خاتمہ ہندوستان میں کمپنی کے بڑھتے ہوئے تسلط اور

اقتدار سے ہوا یہاں تک کہ جرنل لیک نے پیرون کو شکست دے کر 1803ء میں دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان سے فوجی مہم جوؤں کا دور ختم ہو گیا۔ کیونکہ کمپنی نے ہندوستان کی ریاستوں کو یا تو ختم کر دیا یا اپنی حفاظت میں لے لیا اس لئے یورپی فوجی مہم جو اپنی جمع شدہ دولت کے ساتھ ریٹائر ہو کر یا تو ہندوستان سے چلے گئے یا ہندوستان میں آباد ہو گئے۔

حوالے

(1)Philip Mason.:A matter of Honour. Norwich. 1974.P.29.

(2)Herbert,Compton:European Military Adventurers, Karachi. 1976.P.9.

(3)Shelford Bidwell :Sword for Hire. London. 1971.P.11.

(4)C.Grey. :European Adventurers in Northern India. Lahore 1929. P.2.

(5) ایضاً : ص 7

(6) کو مپٹن : ص 338

(7) ایضاً : ص 48

(8) ایضاً : ص 222

(9) گرے : ص 12

(10) H.G. Keene.:Hindustan under free Lances. Shannon. 1972. P.P.13-16.

(11) بڈویل : ص 11

(12) گرے : ص 6

(13) کو مپٹن : ص 371

(14) ایضاً : ص 364-358-357-351-347

بڈویل : ص 13

(15) کو مپٹن : 400-398

(16) ایضاً : ص 339-388

(17) ایضاً : ص 189178-157-141-

(18) ایضاً: ص 216-183

(19) ایضاً: ص 22

(20) ایضاً: ص 29-15 بڈویل ص 28-16

(21) کومپٹن: ص 68-65

(22) ایضاً: ص 77

(23) ایضاً: ص 106

(24) ایضاً: ص 100-92

(25) ایضاً: ص 248

(26) ایضاً: ص 215

بارہواں باب

ہندوستانی ثقافت اور انگریز

ابتدائی دور میں جب انگریز بحیثیت تاجر کے ہندوستان میں آئے' تو وہ ہندوستانی تہذیب و تمدن اور ثقافت سے متاثر ہوئے۔ وہ یہاں کے لوگوں میں گھل مل کر رہتے انہوں نے یہاں کا رہن سہن' طرز معاشرت اور عادات و اطوار کو اختیار کیا اور اسی ثقافت میں مدغم ہو گئے۔ ابتدائی دور کے انگریز نہ تو تہذیبی برتری کے تصور میں مبتلا نظر آتا ہے اور نہ نسلی فوقیت کا شکار اور نہ ہی اس میں اہل ہندوستان کے لئے نفرت و حقارت کے جذبات ملتے ہیں۔ سترھویں سے اٹھارویں صدی تک' انگلستان اور ہندوستان کی ثقافت میں برابری کا احساس تھا۔ علمی لحاظ سے بھی اس وقت کا تعلیم یافتہ ہندوستانی' ان سے اسی معیار پر گفتگو کر سکتا تھا' اس کا اندازہ مشہور سیاح برنیر کے الفاظ سے ہوتا ہے جو اس نے مغل امیر دانش مند خان' کے بارے میں کہے تھے۔(1)

کرنل سلمین نے انیسویں صدی کے شروع میں وہاں کے تعلیم یافتہ مسلمان طبقہ کے بارے میں لکھا ہے کہ' ایک پڑھا لکھا مسلمان شخص علم ہیئت سے بخوبی واقف ہوتا ہے' جس کی بنیاد بطلیموس کی کتب پر ہوتی ہے' وہ افلاطون اور ارسطو کی منطق اور اخلاقیات کا علم رکھتا ہے اور اس طرح وہ بقراط اور جالینوس کے افکار پر جو اس نے ابوسینا کے ذریعہ پڑھے ہیں' گہری نظر رکھتا ہے' وہ اس قابل ہوتا ہے کہ فلسفہ' ادب' سائنس اور آرٹس کے مضامین پر گفتگو کر سکے۔(2)

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ہندوستانی ثقافت' جسے انگریزوں اور یورپین نے اختیار کیا' وہ کیا تھی؟ ہندوستان کا معاشرہ اس وقت ایک جاگیردارانہ معاشرہ تھا اور سماجی لحاظ سے کئی طبقوں میں تقسیم تھا۔ مغل ثقافت جو ہندوستان میں مغل حکمرانوں اور ان کے امراء نے تشکیل دی وہ ایک طبقہ کی ثقافت تھی جس کے پاس پیداوار کے تمام ذرائع اور ملک کی تمام آمدنی اور محصولات ہوتے تھے۔ اس لئے

ایک نفیس، خوبصورت اور خیرہ کن ثقافت - یہی طبقہ پیدا کر سکتا تھا جس کے پاس دولت کا ارتکاز تھا اور جو اس دولت کے سہارے، خوبصورت عورتیں جمع کر کے حرم رکھتا تھا شاندار حویلیاں، باغات اور عمارات تعمیر کراتا تھا، جس کے دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانوں کی بہتات ہوتی تھی اور جس کے لباس کی آرائش نگاہوں کو خیرہ کرتی تھی۔ اس کے مقابلہ میں عوام کی ثقافت تھی جو ظاہر ہے کہ اس کی ایک بھدی نقل ہوتی تھی۔ جس میں کوئی کشش اور جاذبیت نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے جب انگریز ہندوستان میں آئے تو تجارتی لحاظ سے ان کا واسطہ ہندوستان کی حکمران کلاس سے پڑا اور انہوں نے اس تہذیب و ثقافت کو دیکھا جو ارباب اقتدار اور امراء کی تھی۔ ان کے لئے اس ثقافت میں کشش اور جاذبیت دونوں تھیں، یہ ثقافت انسان کو عیاشی کے تمام لوازمات فراہم کرتی تھی، زندگی کو پر آسائش اور پر تکلف بنانے کے لئے تمام عنصر اس میں موجود تھے ایک ایسی ثقافت جو جسمانی اور ذہنی آسائش و عیاشی فراہم کرے اسے اپنانے کو ہر ایک کا جی چاہتا ہے، اسی لئے انگریزوں کو جب موقع ملا تو انہوں نے اس ثقافت کو مکمل طور پر اختیار کر لیا۔

اس کے علاوہ دوسری وجوہات بھی تھیں، جن کی وجہ سے وہ اس بات پر مجبور ہوئے کہ اس طرز زندگی کو اختیار کیا جائے ان کی کاروباری اور تجارتی زندگی میں ان کا واسطہ امراء سے پڑتا تھا، اس لئے وہ ان سے مساوی طور پر ملنا چاہتے تھے اور اس معیار کو اپنانا چاہتے تھے تاکہ سماجی لحاظ سے وہ برابر ہوں اور ان سے بات چیت کر سکیں، ورنہ شاید وہ اس طبقہ میں داخل بھی نہیں ہو سکتے تھے پھر صدیوں کی طبقاتی تقسیم نے عوام کی ذہنیت بدل کر رکھ دی تھی وہ اس کی عزت کرتے تھے، جس کے پاس شان و شوکت اور آن بان ہوتی تھی، جب تک یہ ظاہری چمک دمک نہیں ہوتی تھی، اس وقت تک کسی کے لئے معاشرے میں باوقار جگہ پیدا کرنا مشکل تھا۔

اس کے علاوہ، ہندوستانی ثقافت اور طرز زندگی کو اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ابتداء میں ان کی تعداد بہت کم ہوتی تھی۔ اس لئے وہ علیحدہ بستیوں اور علاقوں میں نہیں رہتے تھے جس کی وجہ سے وہ ان کے طرز معاشرت سے متاثر ہوئے اور اسے اختیار کیا۔

شروع میں ان کے پاس کسی قسم کی سیاسی طاقت نہیں تھی اور یہ تجارتی مراعات کے لئے مقامی حکام کے دست نگر ہوتے تھے۔ اس لئے ان میں کسی قسم کا برتری کا جذبہ نہیں تھا' وہ تجارتی ذہن رکھتے تھے اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ تجارتی مراعات لی جائیں' دولت کمائی جائے اور واپس اپنے ملک جایا جائے' اس لئے یہ مقامی حکام سے بہتر تعلقات رکھتے تھے اور ان سے مل جل کر رہتے تھے۔

ہندوستان آنے کے بعد یہ اپنے ملک اور اپنی ثقافت سے بہت دور ہو جاتے تھے اور ان کے لئے مشکل تھا کہ ایک اجنبی معاشرے میں اپنا طرز معاشرت برقرار رکھ سکیں' اس لئے ان کی زندگی میں جو سماجی خلا پیدا ہوتا تھا۔ اسے وہ ہندوستان کی ثقافتی سرگرمیوں سے پر کرتے تھے۔ ویسے بھی مقامی معاشرے میں رہنے کے بعد ان کے لئے ناممکن تھا کہ مقامی تہواروں اور تقریبوں سے دور رہیں۔

ان کا سابقہ حکام اور عوام دونوں سے پڑتا تھا جن سے گفتگو کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ ان کی زبان سیکھیں۔ اس لئے انہوں نے اس وقت کی سرکاری زبان فارسی' سیکھی اور عوام سے گفتگو وہ ان کی مقامی زبانوں اور بولیوں میں کرتے تھے۔

وہ پوری طرح مغل حکومت اور اس کے حکام سے تعاون کرتے تھے ان کے دل میں ہندوستانی حکومت اور اس کے اداروں کا احترام تھا کیونکہ وہ خود اس کا ایک حصہ بن چکے تھے اور ان سے تعاون کے بغیر نہ تو اپنی مراعات قائم رکھ سکتے تھے اور نہ ہی اپنا سماجی مرتبہ' اس لئے جب تک انگریز بحیثیت تاجر کے رہے ان کے لئے حکام اور عوام سے تعلق رکھنا ضروری تھا۔ وہ ان کے ساتھ ان جیسے ہو کر رہتے تھے۔

شادی

سب سے بڑی وجہ' جس نے انگریزوں اور یورپین افراد کو ہندوستانی ثقافت میں ضم کر دیا وہ یہاں مقامی عورتوں سے شادی بیاہ کرنا تھا' ابتداء میں پرتگیریوں کا یہ اصول تھا کہ وہ اپنے ملازمین اور سپاہیوں کے لئے پرتگال سے عورتیں منگاتے تھے' بالکل ابتدائی دور میں انگریزوں نے بھی یہی پالیسی اختیار کی لیکن بعد میں انہیں یہ بہت مہنگا پڑا کیونکہ اس صورت میں سفر کا خرچ بہت ہوتا تھا' اس لئے کمپنی نے ہندوستان

کے حکام کو لکھا کہ کمپنی کے ملازمین کو چاہئے کہ وہ مقامی عورتوں سے شادی کریں۔(3) اس کے بعد اس کمپنی کے ملازمین نے مقامی مسلمان اور ہندو عورتوں سے شادیاں کیں' خصوصیت کے ساتھ کمپنی کے اعلیٰ افسران نے مسلمان امراء کے خاندان میں شادیاں کیں' تاکہ معاشرے میں انہیں اثر و رسوخ بھی ملے اور ان کا سماجی رتبہ بھی بڑھے' فینی پارکس (FANY PARKS) جو انیسویں صدی میں ہندوستان آئی وہ لکھتی ہے کہ اس وقت تک ہندوستانی معاشرے میں مسلمان لڑکی اور عیسائی لڑکے کی شادی کو قبول کر لیا جاتا تھا۔ کرنل گارڈنر (Col. Gardner) جس نے خود ایک مسلمان عورت سے شادی کی تھی اس نے ایک خط میں لکھا کہ :

"ایک مسلمان خاتون اور عیسائی کی شادی جو قاضی کے ذریعہ ہوتی ہے' وہ اس ملک میں اسی قدر قانونی ہے' جس قدر کہ یہ رسم کلکتہ کے بشپ کے ذریعہ ادا کی جائے"(4)

فینی پارکس نے خاص طور پر کرنل گارڈنر اور اس کے خاندان کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے ہندوستان کے مسلمان امراء کے طبقہ میں شادیاں کی تھیں' کرنل گارڈنر کی شادی' کھمبایت کے کسی شاہی خاندان' کی شہزادی سے ہوئی تھی۔ جس کا نام ظہور النساء تھا اور اس کی بہن کی شادی بھی ایک انگریز حیدر ہیرسے (HEDER HERSEY) سے ہوئی تھی۔(5) ظہور النساء شادی کے بعد' اپنے مذہب پر قائم رہی اور اپنی لڑکیوں کی تربیت اسلامی طریقہ پر کی اور ان کی شادیاں مغلیہ شاہی خاندان میں ہوئیں۔(6) کرنل گارڈنر کے لڑکوں کی شادیاں بھی مسلمان لڑکیوں سے ہوئیں۔ ایلن گارڈنر (Allen Gardner) کی بیوی' بی بی صاحب انگا تھی اس کے دوسرے لڑکے جیمس گارڈنر (James Gardner) کی شادی مغل شہزادے مرزا سلیمان شکوہ کی لڑکی ملکہ ہمانی بیگم سے ہوئی۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ اودھ کے حکمران نصیر الدین حیدر کی شادی اس کی بہن سے ہوئی تھی۔ جب انہوں نے اسے دیکھا تو اس سے بھی شادی کے خواہش مند ہوئے' اس پر ان کا جھگڑا شہزادہ سلیمان شکوہ سے ہوا۔ کرنل گارڈنر نے اس قصہ میں شہزادہ کا ساتھ دیا اور انہیں لکھنؤ سے اپنے ساتھ لے کر چلے' تو شہزادی جیمس گارڈنر کے ساتھ بھاگ گئی اور بعد میں اس سے شادی کر لی۔(7) کرنل گارڈنر کی

لڑکیوں کی شادی شاہی خاندان میں ہوئی' سوسن گارڈنر کی شادی' مرزا انجم شکوہ سے ہوئی جو سلیمان شکوہ کا لڑکا تھا' اس کی شادی ہندوستانی رواج کے مطابق ہوئی۔ گارڈنر کو اس بات پر فخر تھا کہ اس کی رشتہ داری' مغل شاہی خاندان سے ہے۔(8)

ان شادیوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کی گھریلو زندگی بالکل ہندوستانیوں کی طرح ہو گئی اور ان کے گھروں میں رسومات' تقریبات اور تہوار میں ہندوستانی ثقافت آگئی' ان کے لباس غذا اور طرز زندگی میں ہندوستانی رنگ چڑھ گیا۔ فینی پارکس نے گارڈنر خاندان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے رہن سہن' عادات و اطوار میں ہندوستانی ہو گئے تھے اور ہندوستانی شہزادوں کی طرح زندگی گزارتے تھے' ان کے گھر اور حرم ہندوستان کے اونچے خاندان کی طرح تھے ان کے لڑکے و لڑکیاں' ہندوستانی رسم و رواج کے تحت تربیت پاتے تھے اور ان کی عورتیں مردوں سے دور' گھر کی چار دیواری میں رہتی تھیں اور پردہ کی پابند تھیں۔(9) کرنل گارڈنر نے ایک مرتبہ فینی پارکس سے کہا کہ "میں رات کو 100 ڈگری گرمی میں تقریباً' 500 عورتوں کے درمیان گھرا ہوا ہوتا ہوں"(10)

مشہور کرایہ کے سپاہی رائن ہارڈٹ (RHEIN HARDT) نے پہلے ایک مسلمان عورت سے شادی کی جو سردھنہ کی رہنے والی تھی' اس سے جو لڑکا ہوا اسے مغل بادشاہ نے ظفریاب کا خطاب دیا۔ اس کی دوسری شادی مشہور بیگم سمرو سے ہوئی' جو مسلمان تھی اور بعد میں عیسائی ہو گئی۔(11) انگریزوں نے عیسائی مذہب رکھتے ہوئے' ایک سے زیادہ کئی داشتائیں بھی رکھیں' 1680ء میں ہروے (HERVEY) نامی ایک شخص نے چھ مقامی عورتیں رکھ رکھی تھیں۔

چنانچہ' حرم رکھنے کی جو روایت ہندوستان کے امراء کے طبقہ میں تھی' اسے انگریزوں نے اختیار کیا اس وقت امراء میں حرم رکھنا ایک طبقاتی اور سماجی علامت تھی' حرم کا جو تصور تھا' اس میں عالیشان حویلی' باغات' بارہ دری' بیویاں' داشتائیں' خواجہ سرا اور ملازمین آتے تھے اکڑلونی جو ہندوستان میں اخترلونی کے نام سے مشہور تھا شاندار حرم رکھتا تھا۔ اس کے تیرہ بیویاں تھیں جو شام کو تیرہ ہاتھیوں پر سوار ہوا خوری کو نکلتی تھیں ایک اور مشہور انگریز اسکنر جو ایک راجپوت کے بطن سے تھا اور

سکندر صاحب کے نام سے مشہور تھا' اس کے حرم میں 14 عورتیں تھیں۔(12)حرم کے ساتھ ساتھ ناموس حرم کا جو تصور اس وقت ہندوستان میں تھا کہ حرم کی عورتیں چار دیواری میں رہیں' پردہ کریں' غیر مردوں سے میل جول نہ رکھیں اور محفل میں ان کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی جائے' وغیرہ وغیرہ - ان تمام روایات کو انہوں نے بھی اپنایا تھا۔

اکٹرلونی نے رنجیت سنگھ سے ملاقات کے دوران اس بات کی شکایت کی کہ سکھ سنتری اس کے حرم کے بہت قریب پہرہ دیتے ہیں' جو آداب کے خلاف ہے' اس لئے اس کے اور اس کے لڑکے کے خیمے دور لگائے گئے اور کسی کو اس کے قریب جانے کی اجازت نہیں تھی۔(13)چارلس مٹکاف (CHARLES METCALF) جو دہلی کا ریزیڈنٹ تھا' شالیمار باغ میں' خوبصورت کوٹھی میں رہا کرتا تھا' اس کی ہندوستانی بیوی کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا جو 1820ء میں مری' کہا جاتا ہے کہ وہ رنجت سنگھ کے خاندان سے تھے۔(14)

ان شادیوں کی وجہ سے انگریز ہندوستانی ثقافت اور طرز زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ جس کی وجہ سے ہندوستانی ثقافت کے مختلف پہلوؤں کا ان پر اثر ہوا۔

کھانا

ہندوستانی عورتوں کی وجہ سے' ان کے گھروں میں ہندوستان کھانوں کا رواج ہوا' جس کی وجہ سے ان کے انگریزی کھانے ختم ہو گئے۔ فینی پارکس جو کرنل گارڈنر کی مہمان تھی۔ اس نے اس کے گھر میں صرف ہندوستانی کھانے کھائے۔(15)

مغلیہ دور میں یہ رواج تھا کہ امراء کو اور حکام کو کھانے کے نام سے علیحدہ الاؤنس ملا کرتا تھا تاکہ وہ اپنا باورچی خانہ بہتر طریقہ سے اپنے مرتبے کے مطابق رکھ سکیں اور اپنے مہمانوں کی خاطر تواضع بہتر طریقہ سے کر سکیں' چنانچہ دہلی کے ریزیڈنٹ کو 5 ہزار کی رقم ملا کرتی تھی اور اس کے ہاں یہ دستور تھا کہ کھانے کے وقت مہمان بھی کھایا کرتے تھے۔(16)

لباس

لباس کا تعلق آب و ہوا سے بھی ہوتا ہے اور ثقافت سے بھی' اس لئے جہاں انہوں نے دوسرے طریقوں میں ہندوستانی طرز معاشرت اپنایا' وہاں لباس کے معاملہ میں بھی وہ ہندوستانی ہو گئے' بشپ ہیبر (HEBER) نے جب سرڈیوڈ کو دیکھا تو وہ شال اور مغل سمور کی ٹوپی اوڑھے ہوئے تھا اور بالکل ایشیائی لگ رہا تھا۔(17)

ملازمین

جاگیرداری معاشرے میں امراء کا یہ طبقہ کثیر تعداد میں اپنے ذاتی کاموں اور خدمت کے لئے ملازم رکھتا ہے اور خود اپنے ہاتھ سے کسی قسم کا کام کرنا توہین سمجھتا ہے' اس لئے ہندوستان میں بھی یہ رواج تھا کہ ہر امیر اور منصب دار اپنی ذاتی خدمت کے لئے لا تعداد ملازم رکھا کرتا تھا' ملازمین کی یہ تعداد اس غریب طبقہ سے آتی تھی جس کے پاس روزگار کی سہولتیں نہیں تھیں اور جو معمولی تنخواہوں پر کام کرتے تھے' اس سستی اجرت کی وجہ سے ہر افسر کے پاس ملازموں کی ایک فوج ہوا کرتی تھی' ملازمین کی یہ اکثریت معاشرہ کی ترقی میں ہمیشہ سے رکاوٹ رہی ہے کیونکہ آبادی کا ایک کثیر حصہ مفید اور کار آمد کام کی بجائے غیر ترقی پذیر اور بے ہودہ کاموں میں مصروف رہتا تھا' جہاں اس کی صلاحیتیں ضائع ہوتی تھیں۔ جاگیردار کے یہ ملازم مالک کی خوشنودی کے خواہاں رہتے تھے اور اس طرح اس کی ذاتی خدمت کر کے اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ تو پال لیتے تھے مگر معاشرے کی ترقی میں یہ کوئی حصہ نہیں لیتے تھے' انگریزوں نے یہاں کی معاشی بدحالی سے فائدہ اٹھایا اور اپنی ذاتی خدمت کے لئے لا تعداد ملازم رکھے مثلاً" کلکتہ کا ایک شخص جو شہر کے معیار کے مطابق زیادہ مالدار نہیں تھا' اس نے اپنی ذاتی خدمت کے لئے 63 ملازم رکھ رکھے تھے مالدار تاجر 100 تک کی تعداد میں ملازم رکھا کرتے تھے۔

اس وقت خاص طور سے یہ دستور تھا کہ حقہ کی دیکھ بھال کے لئے ایک ملازم ہوا کرتا تھا جس کا کام یہ تھا کہ وہ حقے کی نے' جو سونے کی بنی ہوتی تھی' اسے صاف

ستھرا اور چمکائے ہوئے رکھے۔ حقہ کو گرم رکھے اور گلاب کا پانی تبدیل کرے۔ یہ اپنے آقا کے ساتھ ہر دعوت میں جاتا تھا اور کھانے کے بعد تمام ملازمین خاموشی سے حقے لئے ہوئے کمرے میں آتے اور اپنے اپنے آقا کے پاس خاموشی سے کھڑے ہو کر حقہ کی نے اسے تھماتے۔(18)

جس طرح ہندوستانی فوجوں میں ملازمین' اپنے آقاؤں کے ساتھ جنگ پر جاتے تھے اسی طرح کمپنی کا ہر افسر ہر مہم میں اپنے ساتھ خدمت کے لئے ملازمین لے جاتا تھا۔ مثلاً" 1780ء میں ایک کپتان کے ساتھ اس کا اسٹیوارٹ (STEWART) باورچی' لباس کی دیکھ بھال کرنے والا' سائیس' نائب سائیس' حجام اور دھوبی ہوتے تھے' اس کے علاوہ 155 قلی جو اس کا سامان اٹھاتے تھے اس کے سامان میں شراب' چائے' مرغیاں اور دودھ کے لئے بکری بھی شامل ہوتی تھی۔

فینی پارکس نے ایک متوسط انگریز خاندان اور اس کے ملازمین اور ان کی تنخواہوں کی فہرست دی ہے کہ کم از کم ہر خاندان کے لئے اتنے ملازمین تو ضروری ہیں ورنہ اس سے زیادہ بھی ہوتے ہیں۔

1- خانساماں	اس کا کام سامان کی خریداری ہوا کرتا تھا	12 روپیہ - ماہانہ
2- آبدار	پانی' شراب اور برف کی دیکھ بھال کرتا	8 روپیہ - ماہانہ
3- خدمتگاروں کا سربراہ	میز کے پاس کھڑا ہوتا تھا	7 روپیہ - ماہانہ
4- نائب خدمت گار	یہ بھی میز کے پاس کھڑا حکم کا انتظار کرتا تھا	6 روپیہ - ماہانہ
5- باورچی	—	12 روپیہ - ماہانہ
6- نائب باورچی	—	4 روپیہ - ماہانہ
7- مشعلچی	—	4 روپیہ - ماہانہ
8- دھوبی	—	8 روپیہ - ماہانہ
9- استری کرنے والا	—	8 روپیہ - ماہانہ
10- درزی	—	8 روپیہ - ماہانہ
11- نائب درزی	—	6 روپیہ - ماہانہ
12- آیا	—	10 روپیہ - ماہانہ

13- نائب آیا	—	6 روپیہ - ماہانہ
14- بھنگی	جو کتوں کی دیکھ بھال کرتا تھا	4 روپیہ - ماہانہ
15- سردار، بیرر	یہ الماریوں کی چابیاں رکھتا تھا	8 روپیہ - ماہانہ
16- نائب بیرر	یہ روشنی کا انتظام کرتا تھا	6 روپیہ - ماہانہ
17- 6 بیرر	جو پنکھا ہلاتے تھے اور فرنیچر کی صفائی کرتے تھے	24 روپیہ - ماہانہ
18- گوالہ	—	4 روپیہ - ماہانہ
19- جانور چرانے والا	—	5 روپیہ - ماہانہ
20- مرغے والا	جو بطخوں، کبوتروں اور خرگوشوں کی بھی دیکھ بھال کرتا	
21- مالی	—	5 روپیہ - ماہانہ
22- نائب مالی	—	3 روپیہ - ماہانہ
23- قلی	—	2 روپیہ - ماہانہ
24- گھوڑوں کے لئے چنے پیسنے والی		2 روپیہ - ماہانہ
25- کوچ مین	—	10 روپیہ - ماہانہ
26- 8 سائیس،	8 گھوڑوں کے لئے ہر ایک 5 روپیہ کے حساب سے	40 روپیہ - ماہانہ
27- 8 گھاس کاٹنے والے	3 روپیہ کے حساب سے	24 روپیہ - ماہانہ
28- بہشتی	—	5 روپیہ - ماہانہ
29- نائب بہشتی	—	4 روپیہ - ماہانہ
30- بڑھئی	—	8 روپیہ - ماہانہ
31- نائب بڑھئی	—	7 روپیہ - ماہانہ
32- قلی	جو خس کی ٹٹیوں کی پانی چھڑکتے تھے	4 روپیہ - ماہانہ
33- چوکیدار	—	8 روپیہ - ماہانہ
34- پہرہ دار	—	4 روپیہ - ماہانہ
35- 2 چپراسی	جو پرچیاں لے کر جاتے تھے اور برآمدے میں انتظار کرتے تھے(20)	10 روپیہ - ماہانہ
کل 57		**کل 290 روپیہ ماہانہ**

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی معاشی حالت کیسی تھی اور ملازمین کس قدر کم تنخواہوں پر با آسانی مہیا ہو جاتے تھے۔ ایک انگریز افسر جو 1858ء میں ہندوستان آیا اور اس نے اس قدر تعداد میں افسروں کے پاس ملازم دیکھے تو اسے بڑا تعجب ہوا مگر جب اسے تنخواہ کا پتہ چلا کہ 12 روپیہ سے 4 روپیہ تک ملازم میسر آجاتے ہیں' تو اس کی حیرانی جاتی رہی۔ (21)روز کے معمولات میں یہ تھا کہ افسر کو اس کا ملازم بیدار کرتا' حجام اس کا شیو بناتا' اس کے ناخن کاٹتا' اس کے کان' ناک صاف کرتا' ناشتہ کے بعد نائی اس کے بال ٹھیک کرتا' اس کا حقہ بردار' اس کا حقہ گرم کر کے لاتا' جب وہ دفتر جاتا تو اس کے ساتھ 8 یا 12 چوبدار' ہرکارے اور چپراسی ہوا کرتے تھے۔(22)

سواری

جاگیردارانہ معاشرہ میں ذاتی عظمت اور بڑائی کی ایک علامت یہ بھی تھی کہ پیدل نہیں چلا جائے بلکہ ہمیشہ کسی نہ کسی سواری میں سفر کیا جائے' پیدل چلنے والے کا مرتبہ معاشرہ میں بہت حقیر ہوا کرتا تھا۔ اس لئے انگریز افسروں نے بھی اس روایت کو اختیار کیا' ان کی سواری میں بھی وہی شان و شوکت ہوا کرتی تھی' مثلاً" مدراس کے صدر کمپنی کے پاس ذاتی محافظوں کا ایک دستہ ہوتا تھا جس میں چار سو حبشی ہوتے تھے جب بھی وہ باہر جاتا تھا تو اس کے ساتھ نوبت ہوتی تھی اور اس کے جھنڈوں پر ستارے (کوکبہ) لگے ہوتے تھے یہ اور اس کی کونسل کے ممبر آفتاب گیر استعمال کرتے تھے۔(23)

بوب پیٹ (BOB PETT) مرشد آباد کا ریزیڈنٹ تھا' جب وہ باہر نکلتا تو اس کے گھر کے زینے کی دونوں جانب ملازموں کی قطار ہوتی جو اسے دیکھتے ہی سلام کرتی' گھڑ سواروں کا ایک دستہ اس کے ساتھ سواری میں چلتا تھا۔(24)

ایک انگریز اس وقت تک باہر نہیں نکلتا تھا جب تک اس کی سواری میں کم از کم بیس سوار نہ ہوں۔ یہاں تک کہ اپنے مکان کے ایک کمرے سے دوسرے کمرے

تک بھی جب تک نہیں جاتا تھا جب تک کہ چار آدمی چاندی کی عصا لئے ہوئے اس کے آگے نہیں چلیں، اس لئے ہر انگریز کے پاس گھوڑے، ہاتھی اور پالکیاں ہوتی تھیں، (25)جس کے ذریعہ وہ سفر کیا کرتا تھا۔ آکڑلونی کے پاس بے شمار گھوڑے، ہاتھی، پالکیاں اور گاڑیاں تھیں، جو اس کے اور اس کے خاندان کے استعمال میں آتی تھیں، جب وہ باہر نکلتا تو اس کے ساتھ فوجیوں کی جماعتیں، سواروں کا دستہ اور 40 یا 50 ملازمین پیدل اور گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے، یہ نیزوں اور بندوقوں سے مسلح ہوتے تھے۔(26)

زبان

ہندوستان میں، آخری عہد مغلیہ میں امراء کی زبان فارسی اور اردو ہوا کرتی تھی۔ چونکہ انگریزوں کا واسطہ ان سے پڑتا تھا اور ملازمین سے بھی ان ہی کی زبان میں بات کرنی پڑتی تھی، اس لئے وہ ان دونوں زبانوں سے بخوبی واقف تھے۔ ایسے واقعات بھی ہیں کہ وہ فارسی اردو کے علاوہ خود اپنی زبان میں مطلب بخوبی ادا نہیں کر سکتے تھے، مثلاً" مشہور مہم جو جارج ٹامس (GEORGE THOMAS) فارسی اور اردو خوب بولتا تھا اس نے اپنی سوانح نگار فرینکلن (FRNAK LINE) کو لکھائی تو ٹوٹی پھوٹی انگریزی لکھی جب کہ یہ فارسی اور اردو بڑی روانی سے بولتا تھا جیمس اسکنر بہت اچھی فارسی لکھتا تھا اس نے اپنی آپ بیتی فارسی میں لکھی جس کا انگریزی ترجمہ بیلی فیریز نے کیا۔(27)

آداب

مجلسی آداب میں بھی انہوں نے اس وقت کے مروجہ آداب اختیار کئے مثلاً" مغل امراء کی طرح یہ بھی اپنا دربار لگاتے تھے جو عام طور سے بادشاہ کے دربار کے نمونہ پر ہوتا تھا، اسکنر کا دربار جھانسی میں ہوا کرتا تھا، جہاں وہ امراء اور مقامی لوگوں سے ملتا تھا۔(28)دربار میں تمام آداب ملحوظ رکھے جاتے تھے جن کا شاہی دربار میں

رواج تھا مثلاً" وہاں ماتحت نذر پیش کرتے تھے اور یہ انہیں انعام میں خلعت دیا کرتے تھے۔

اسی طرح انہوں نے امراء کے تمام مشاغل بھی اختیار کر رکھے تھے مثلاً" شکرے' کتوبر' بٹیریں اور مرغے پالنا' شکار کھیلنا' جانوروں کی لڑائیوں سے لطف اندوز ہونا' مشاعروں میں شریک ہونا' فارسی و اردو میں شعر کہنا۔

ان کی عادتیں بھی مغل امراء کی طرح ہو گئیں تھیں۔ پان کھانا' عطر لگانا' پھولوں کا ہار پہننا اور حقہ پینا' مسلمان امراء انہیں دعوتوں پر بلاتے تھے اور ناچ و رقص و موسیقی کے پروگرام منعقد کرتے تھے۔(29)

خطابات

آخری مغلیہ دور میں انگریز بھی مغل امراء کے طبقہ میں شامل ہو گئے تھے اور انہیں مغل بادشاہ کی جانب سے جاگیر' خلعت' تحفہ و ظائف کے ساتھ ساتھ خطابات بھی ملا کرتے تھے مثلاً" اسکنر کو مغل بادشاہ کی جانب سے نصیرالدولہ' کرنل جیمس اسکنر بہادر' غالب جنگ کا خطاب ملا تھا۔ جسے اس نے اپنی انگوٹھی پر کندہ کرا رکھا تھا۔(30)مٹکاف کا خطاب منتظم الدولہ تھا۔

تعلقات کی تبدیلی

انگریزوں اور ہندوستانیوں کے اس ملاپ میں 18ویں صدی میں تبدیلی آنا شروع ہوئی اور آہستہ آہستہ ان میں دوری ہوتی چلی گئی اور وہ ہندوستانی ثقافت اور کلچر سے علیحدہ ہوتے چلے گئے اس تبدیلی کی مختلف وجوہات تھیں سب سے بڑی وجہ ہندوستان میں کمپنی کا سیاسی استحکام تھا کمپنی ایک تجارتی ادارے سے سیاسی طاقت بن گئی اس وجہ سے اب کمپنی کے ملازمین جو ہندوستان میں آئے وہ مالدار تاجر اور زمیندار تھے یہ ہندوستان میں حکومت کرنے اور دولت جمع کرنے آتے تھے اس سے پہلے جو لوگ آتے تھے ان کا تعلق غریب طبقہ سے ہوتا تھا اور اپنے ملک میں ناکامی کے بعد وہ ادھر

کا رخ کرتے تھے ان کے پاس کوئی سفارش نہیں ہوتی تھی۔(31)اس لئے ان کی ترقی ان کی اپنی محنت اور صلاحیت پر ہوتی تھی ان میں یہ خوبی تھی کہ یہ ہندوستان کے لوگوں میں گھل مل گئے اور ان کی طرز زندگی اختیار کر لی لیکن امراء کے طبقہ کے جو افراد 18ویں صدی سے آنا شروع ہوئے ان میں نہ صرف طبقاتی رعونت تھی بلکہ سیاسی قوت نے انہیں مزید طاقتور بنا دیا تھا اس لئے ان کا رویہ ہندوستانیوں کے بارے میں تبدیل ہونا شروع ہو گیا۔(32)

دوسری وجہ جس سے تعلقات میں دوری شروع ہوئی وہ یہ تھی کہ ہندوستان میں انگریزوں کی تعداد بڑھنا شروع ہو گئی اور جیسا کہ عام طور پر دستور ہے ان لوگوں نے اپنے علیحدہ علاقے آباد کرنا شروع کر دیئے اور مقامی باشندوں سے الگ تھلگ رہنا شروع کر دیا اس سے ان کا واسطہ ان سے کم سے کم ہوتا چلا گیا۔(33)

تیسری وجہ سیاسی طاقت کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں عیسائی مشنریوں نے آنا شروع کر دیا اور کوشش کی کہ ہندوستانیوں کو عیسائی بنا لیا جائے انہوں نے ہندوستانیوں کے مذاہب پر حملے کئے اور مذہبی تعصب کی بنیاد ڈالی انہوں نے مقامی انگریزوں کو بھی اپنی سرگرمیوں سے متاثر کیا اس مذہبی نفرت نے تعلقات میں مزید دراڑیں ڈال دیں۔ (34)

18ویں صدی کے آخر میں ہندوستان میں انگریز عورتوں کی تعداد بڑھ گئی جس کی وجہ سے ہندوستانی عورتوں سے شادی کرنا اور انہیں بطور داشتہ کے رکھنا کم ہوتا چلا گیا' انگریز بیوی کی وجہ سے گھر کا ماحول انگریز رہا اور مقامی روایات و رسومات ختم ہو گئیں۔(35)

سیاسی طاقت اور مذہب کی برتری کے احساس نے انگریزوں میں نسلی برتری کو پیدا کیا ہندوستان میں انگریز حکمران طبقہ نے خاص طور پر نسلی برتری کو پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ ان کے سامراجی مقاصد اور عزائم کو اخلاقی جواز مل سکے کارنوالس (1780ء' CARNWALLIS) اور ویلزلی (1798ء' WELLESLY) نے ان جذبات کو خوب ہوا دی اور انگریزوں کو ہندوستانیوں سے علیحدہ کر کے ان میں رعونت پیدا کی اسی چیز نے آگے چل کر ہندوستانی ثقافت اور تہذیب سے نفرت پیدا کی۔

دونوں طبقوں میں مکمل تبدیلی 1857ء کی جنگ کے بعد آئی اس وقت انگریزوں کو مکمل سیاسی اختیار نہیں ملے تھے۔ ہندوستان میں مغل بادشاہ اور دیسی ریاستیں موجود تھیں اور ان کے تعلقات ان سے مساوی بنیادوں پر تھے۔ 1857ء کی شکست اہل ہندوستان کے لئے نہ صرف ایک سیاسی شکست تھی۔ بلکہ ثقافت اور کلچر کے میدان میں بھی ایک شکست تھی اس کے بعد سے انگریز فاتح تھا اور ہندوستانی مفتوح اور اس جگہ سے انگریزی ثقافت کی برتری ہندوستانی ثقافت پر قائم ہونا شروع ہو گئی اور دیکھتے دیکھتے ہندوستان میں فاتح قوم کی ثقافت و طرز معاشرت نے اپنا دائرہ بڑھا کر اپنی جڑیں مضبوط کر لیں۔

حوالے

1. Bernier, F.:Travels in the moghal Empire A.D. 1636-1663, London, 1914. P.3.
2. Sleeman,W.H.:Rambles and Recollec-tion of Indian official Karachi, 1973. P.339.
3. Kincaid,Denis:British social life in India (1608-1937) London, 1938. Reprinted 1973, P.58.
4. Fany Parks.:Wandering of a Pilgrim in Search of the Picturesque. Vol. i Karachi, 1975. P.412.
5. Holman,Denis:Sikandar Sahib. London 1961.P.228.
6. Fany Parks, i, P.412.
7. Ibid. P.90; Sleeman, P.P. 345-47.
8. Keene. H.G. :Hindustan under Free Lances. 770-1820. Shanon, Ireland, 1972. P.152.

9. Fany Parks :i, P.P. 390-97, 413.

10. Ibid, P.90.

11. Sleeman. P,595.

12. Holman, Denis, P.161.

13. Thompson, Edward :The making of the Indian Princes. London. 1978. P.P. 183-4.

14. Ibid., P.184.

15. Fany Parks, i, P.393.

16. Jacquemont. Victor :Letters from India. Vol.ii, Karachi, 1979. P.241.

17. Thompson, P.183.

18. Kincaid, P.93.

19. Ibid, P.94.

20. Fany Parks, i, P.P.209-10.

21. Jones, Capt. Oliver, J.R.N. :Recollections of a Winter Campaign in India in 1857-58, London, 1859. P.125.

22. Kincaid, P.97.

23. Ibid., P.97.

24. Mudford,Peter :Birds of Different Plumage. London, 1974. P.69.

25. Ibid. P.68.

26. Bidwell, Shelford :Swords for Hire. London, 1971.P.128.

27. Keene, P.140.

28. Holman, Denis,P.228.

29. Ibid., P.230 :Mudord, P.62.

30. Holman, Denis, P.228.

31. Thompson, 182.

32. Kincaid, P.149.

33. Edwards, Michael :British India. London, 1967. P.34.

34. Ibid., P.34 :Kincaid, P.145.

35. Edwards, Michael, P.33.

36. Ibid., P.32-33.

تیرھواں باب

ایسٹ انڈیا کمپنی

یورپ اور ہندوستان کے ابتدائی تعلقات تجارتی تھے۔ یہاں تجارت کی غرض سے یونانی' رومی' اطالوی اور پھر بعد میں پر تگیری' فرانسیسی اور انگریز آئے۔ 16ویں صدی میں اسکندریہ اور قسطنطنیہ جو تجارت کے مرکز تھے وہاں سے یہ وینس اور جنیوا منتقل ہو گئی۔ پوپ الکنذر بورژیا کے ایک حکم نامہ کے ذریعہ تمام غیر عیسائی دنیا جو اس وقت تک دریافت ہوئی تھی وہ اسپین اور پر تگال کے درمیان تقسیم کر دی گئی اور ہندوستان پر تگال کو ملا۔

تجارتی تعلقات کے نتیجہ میں جب یورپ اور ہندوستان کے درمیان تاجروں کی آمد شروع ہوئی تو ہندوستان کے بارے میں اہل یورپ کی معلومات بڑھیں۔ تیرھویں صدی سے ان معلومات میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ 1235ء میں سر جان مندول (JOHN MANDEVILLE) نے ہندوستان کے بارے میں معلومات اکٹھی کر کے انہیں تحریر کیا۔ اگرچہ اس نے یہ نہیں بتایا کہ کیا اس نے یہ معلومات ہندوستان کا سفر کر کے حاصل کی ہیں یا کسی سے سن کر؟ 1330ء میں لاطینی زبان میں ہندوستان کے بارے میں کچھ بے ترتیب کتابیں چھپیں جو کہ اوڈوی کس (Odovicus) نامی پادری سے منسوب تھیں۔ اس نے ہرمز سے تھانہ تک کا سفر کیا تھا اور اس کے دوران اسے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ انہیں اپنے سفرنامہ میں تحریر کیا تھا۔ اس کے بعد 1563ء میں سیزر فریڈرک کا نام ملتا ہے جو کہ وینس کا ایک تاجر تھا اور جس نے ہندوستان میں مغربی گھاٹ تک کا سفر کیا تھا۔

(1)

پہلا انگریز جو ہندوستان میں آیا وہ ٹامس اسٹی فنز تھا۔ جو ہندوستان کے مغربی

گھاٹوں تک آیا اور اپنے باپ کو جو لندن کا تاجر تھا یہ خط لکھا کہ ہندوستان کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کر کے اس منافع میں حصہ بٹانا چاہئے کہ جو اب تک صرف یہ پرتگیزی اٹھا رہے ہیں۔ اس خط نے لندن کے تاجر طبقہ میں ہندوستان سے تجارت کرنے کا شوق بڑھایا۔(1)اس کے بعد سے ہندوستان میں تقریباً" ہر یورپی ملک کے سیاح آئے کہ جنہوں واپس جا کر ہندوستان کے بارے میں اپنے تاثرات لکھے اور ان تاثرات نے یورپ میں ہندوستان کے بارے میں جو اولین تاثر قائم کیا وہ انتہائی پراسرار اور رومانوی تھا۔

جو سیاح ہندوستان میں آئے۔ ان میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے۔ جن میں مشنری' تاجر' سفیر اور مہم جو شامل تھے۔ انہوں نے ہندوستان کی تاریخ' نظام سلطنت' ثقافت' معاشی حالات اور لوگوں کی عادات و اطوار کے بارے میں تفصیل سے لکھا اور ہندوستانی معاشرے کی کمزوریوں کو بغور دیکھا۔ مثلاً" یہ کہ ہندوستان کی فوج میں نظم و ضبط نہیں ہے اور اس لئے اسے آسانی سے شکست دی جا سکتی ہے۔ برنیر(68-1655) نے اپنے سفرنامہ میں لکھا کہ موسیو کونڈے اور موسیو تیورین بیس ہزار فوج کے ساتھ ہندوستان فتح کر سکتے ہیں۔ اس نے ایک طرف بنگال کی دولت کا ذکر کیا تو دوسری طرف اس کے دفاع کی کمزوریاں بھی بتاتی ہیں۔ 1746ء میں کرنل جیمس مل نے جو کہ بیس سال تک ہندوستان میں رہا۔ آسٹریا کے بادشاہ کو یہ دلائل دیئے کہ بنگال کی فتح آسان بھی ہے اور منافع بخش بھی۔

اس طرح اہل ہندوستان کو پرتگیزیوں' ولندیزیوں اور فرانسیسیوں کے ساتھ انگریزوں سے بھی واسطہ پڑا۔ یہ ابتدائی تعلقات اس وقت شروع ہوئے جبکہ ہندوستان میں مغل حکومت مضبوط اور طاقتور تھی اور انگریز سفیر و تاجر تجارتی مراعات کی غرض سے ہندوستان آتے تھے۔ اس لئے ان لوگوں کے بارے میں ہندوستان کے لوگوں کے تاثرات مختلف تھے۔ مثلاً" ابتداء میں جو انگریز آئے وہ سفیر کے طور پر آئے جن میں ٹامس رو (18-1615) قابل ذکر ہے۔ چونکہ ان کا تعلق طبقہ امراء سے تھا اس لئے یہ انتہائی مہذب تھے اور اس لئے انہوں نے مغل دربار میں اپنا مقام بنا لیا تھا۔ اس کے علاوہ اور جن کے نام ملتے ہیں ان میں بیسٹ (Best) اور ڈاؤن ٹن (Downton)

تھے جوکہ تاجر تھے۔ کیرج (Keridge) ادبی تجسس رکھنے والا تھا۔ ملڈن ہال (Mieldenhall) چور اور دھوکہ باز تھا۔ جہانگیر کا واسطہ جن انگریز سفیروں سے پڑا۔ اس کی وجہ سے اس کا خیال تھا کہ یہ اچھے درباری اور مصاحب ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے بنیوں کا خیال تھا کہ انگریز اچھے تاجر ہوتے ہیں اور ان سے لین دین کرنا مشکل ہوتا ہے۔

عام لوگوں میں انگریزوں اور یورپیوں کے بارے میں جو خیالات تھے ان کا تعلق ہندوستان کے ماحول اور ثقافت سے تھا۔ چونکہ ان کی عادات اور رہن سہن' خصوصیت سے کھانے پینے کے طور طریق ہندوستانیوں سے مختلف تھے اس لئے وہ انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور انہیں گائے و سور کا گوشت کھانے والا' شرابی' وحشی اور دھوکہ باز سمجھتے تھے۔ جب انہوں نے ہندوستان میں اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کرلیں تو ان کے بارے میں یہ خیال تھا کہ یہ گھٹیا قسم کے مہم جو لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنے گودام ہندوستان کے شہروں میں کھول لئے ہیں۔ اس وجہ سے انہیں نہ تو زیادہ اہمیت دی گئی اور نہ انہیں سمجھنے کی کوشش کی گئی۔

(2)

انگریزوں نے اپنی پہلی تجارتی کوٹھی سورت میں 1612ء میں کھولی۔ اس کے ملازمین جو فیکٹر کہلاتے تھے وہ 1613ء میں سورت آئے اور آنے کے فوراً" بعد بھڑوچ اور احمد آباد کے سفر پر روانہ ہو گئے تاکہ ان شہروں کی تجارتی اشیاء کے بارے میں معلومات اکٹھی کریں۔ بھڑوچ اور احمد آباد میں انہوں نے گوداموں کو کرایہ پر لیا اور مقامی طور پر دلالوں کا تقرر کیا تاکہ ان کے ذریعہ سے تجارت کریں۔ تجارتی کوٹھیوں کے قائم ہونے کے بعد انگریز تاجروں کی کوشش رہی کہ وہ حکمرانوں اور عہدے داروں کے ذریعہ جتنا ممکن ہو سکے کسٹم ڈیوٹی میں کمی کرائیں۔ یا ہو سکے تو بالکل معاف کرالیں۔

سورت میں ان کی تجارتی کوٹھی "انگریزوں کی کوٹھی" کہلاتی تھی۔ اس کا پہلا صدر کیرج تھا۔ سورت کے بعد دوسری کوٹھی جو انہوں نے قائم کی وہ بھڑوچ میں

تھی۔ تجارتی کوٹھی کا انتظام اور نظم و نسق مقررہ اصولوں اور قوانین کے ذریعہ چلایا جاتا تھا۔ اس کا نگراں پریزیڈنٹ کہلاتا تھا۔ تجارت کا طریق کار یہ تھا کہ تجارتی اشیاء یا تو نقد خریدی جاتی تھیں یا مسالہ کے عوض تبادلہ کیا جاتا تھا۔ عملہ میں جو لوگ شامل ہوتے تھے وہ فیکٹر کہلاتے تھے' ان میں اکثر نجی تجارت بھی کرتے تھے کیونکہ ان کی تنخواہیں بڑی کم ہوا کرتی تھیں۔ اس لئے ٹامس رو نے کمپنی کو یہ مشورہ دیا تھا کہ ان کی تنخواہیں بڑھائی جائیں اور اس کے بعد نجی تجارت پر پابندی عائد کر دی جائے۔

چونکہ اس وقت یورپ کا معاشرہ بھی جاگیردارانہ تھا' اس لئے لفظ تاجر کو حقارت سے بولا جاتا تھا اور تاجر کی معاشرہ میں کوئی عزت نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے کمپنی نے تاجر کے بجائے مہم جو (Adventurer) کا لفظ اختیار کیا جب کمپنی کے لئے فیکٹروں کا انتخاب ہوتا تھا تو اس کے لئے ابتداء میں نچلے طبقے کے افراد ملے کیونکہ شرفا اس ملازمت کو قبول نہیں کرتے تھے۔ کمپنی کے ڈائریکٹرز ابتداء میں فوجیوں کو یہ ملازمت نہیں دیتے تھے کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ تجارت اور جنگ کو ایک کیا جائے۔

کوٹھی کے احاطے ہی میں صدر اور فیکٹرز رہا کرتے تھے۔ ہر ایک کے لئے علیحدہ کمرہ ہوا کرتا تھا' مگر کھانا یہ ساتھ کھاتے تھے۔ اس طرح عبادت کے لئے بھی یہ اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ صرف صدر گھوڑے کی سواری یا گھوڑا گاڑی استعمال کرتا تھا جبکہ دوسرا عملہ بیل گاڑی کے ذریعہ سفر کیا کرتا تھا۔ صدر مقامی روایات پر عمل کرتے ہوئے جب بھی باہر جاتا تھا اس کے ساتھ مسلح عملہ ہوا کرتا تھا اور نشانی کے طور پر ان کا جھنڈا ساتھ میں ہوتا تھا۔ اس کے عملہ میں کافی مقامی لوگ ہوتے تھے کیونکہ ان کی تنخواہ صرف ایک روپیہ ماہوار ہوا کرتی تھی۔ ان کے علاوہ غلام بھی ہوتے تھے جو کہ سفید لباس پہنتے تھے۔ انہیں کھانے میں چاول اور مچھلی دی جاتی تھی۔

انگریز ہندوستان کی گرمی کے باوجود اپنا لباس پہنا کرتے تھے جو ہندوستانیوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوا کرتا تھا۔ ابتداء میں انگلستان سے صرف مرد آیا کرتے تھے۔ اس لئے ان کے تعلقات ہندوستانی عورتوں سے ہوا کرتے تھے۔ تنہائی کی وجہ سے اکثر بسیار نوش ہو جاتے تھے۔ کمپنی کے ابتدائی سالوں میں کوئی مذہبی عالم فیکٹری میں گزرتا

تھا اور جو بھی پادری گھومتا گھومتا آجاتا' اس سے وقتی طور پر مذہبی رسومات ادا کرلی جاتی تھیں۔

1630ء سے 1642ء تک کے درمیان کمپنی کے بارے میں جو معلومات ملتی ہیں ان سے کمپنی کے ملازمین کے معمولات اور ان کے طور طریق کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ مثلاً" اس زمانہ میں عبادت پابندی سے ادا کی جاتی تھی اور یہ کوٹھی کے اندر ہی دن میں دوبارہ ہوا کرتی تھی۔ اتوار کے دن عبادت دن میں تین مرتبہ ہوتی تھی۔ اس دن خصوصی وعظ بھی ہوا کرتا تھا۔ وعظ کے بعد ملازمین شہر کے باہر تفریح کے لئے جایا کرتے تھے یا باغوں میں چہل قدمی کرتے تھے۔

فیکٹری میں ہر ملازم کے لئے کام اور تفریح کے اوقات مقرر تھے۔ جمعہ کے دن صدر اور اس کے دوست شراب نوشی کے لئے جمع ہوتے تھے۔ شراب میں عرق' شیرازی شراب اور پنچ شامل ہوتی تھیں۔ 1638ء تک چائے یورپ میں روشناس نہیں ہوئی تھی' مگر ہندوستان کی تجارتی کوٹھی میں اس کا رواج ہو چکا تھا۔ سورت کی تجارتی کوٹھی کے بارے میں 1668ء میں جو رپورٹ ملی ہے اس کے مطابق یہ پتھر کی بنی ہوئی پختہ عمارت تھی۔ اس میں کئی رہائشی کمرے تھے۔ اس کے علاوہ کھانے اور عبادت کے کمرے تھے۔ یہاں پر کئی قسم کے نوادرات جمع تھے جن میں مختلف قسم کے پرندے اور جانور بھی شامل تھے۔ کام کے اوقات 10 بجے سے 12 بجے تک اور پھر 4 سے 8 بجے شام کو ہوا کرتے تھے۔ ان اوقات میں کوٹھی میں بڑی چہل پہل ہوا کرتی تھی۔

انتظامیہ میں سب سے بڑا عہدہ صدر کا ہوتا تھا۔ 8 اراکین کی ایک کونسل ہوا کرتی تھی جن میں سے 5 کے لئے سورت میں رہائش ضروری تھی۔ صدر کے بعد اکاؤنٹنٹ ہوا کرتا تھا جو کہ خزانچی کا کام کرتا تھا۔ ایک گودی کا انچارج ہوا کرتا تھا جو اس سامان کی تفصیل رکھتا تھا جو کہ یورپ بھیجا جاتا تھا۔ ایک عہدے دار (Mariner Purser) پر سر میرینز کہلاتا تھا۔ اس کا کام تھا کہ درآمد برآمد کی پوری تفصیل رکھے اور بحریہ کے ملازمیوں کو تنخواہ تقسیم کرے۔ آخر میں سیکرٹری ہوا کرتا تھا جو کہ عمومی کاموں کی نگرانی کرتا تھا۔ یہ پانچوں عہدیدار کونسل کے رکن ہوا کرتے تھے۔

ہندوستان میں نو وارد اپرنٹس کہلاتا تھا۔ ملازمت کی ایک خاص مدت پوری

کرنے کے بعد اسے رائٹر کہا جاتا تھا اور اس کی تنخواہ 10 پونڈ سالانہ مقرر کی جاتی تھی۔ پانچ سال کے بعد اس کا عہدہ فیکٹر کا ہو جاتا تھا اور تنخواہ 20 پونڈ سالانہ ہو جاتی تھی۔ تین سال کے بعد اسے ترقی ملتی اور وہ سینئر فیکٹر کہلاتا تھا۔ تین سال کے بعد اس کو مرچنٹ کا عہدہ ملتا تھا اور دوسری چھوٹی تجارتی کوٹھیوں کے سربراہ انہیں میں سے منتخب ہوتے تھے۔ ان ملازموں کی آدھی تنخواہ اکاؤنٹنٹ اور رائٹر کو چھوڑ کر' انگلستان میں ادا کی جاتی تھی اور وہاں ضمانت کے طور پر جمع ہوتی رہتی تھی تاکہ اگر وہ غلط کام کریں یا قانون کی خلاف ورزی کریں تو اسے ضبط کر لیا جائے۔ فیکٹر اور چپلن کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر اور سرجن بھی ہوا کرتے تھے۔ ایک منشی کو ملازم رکھا جاتا تھا جو کہ انگریزوں کو مقامی زبانیں سکھاتا تھا۔

ہندوستان میں رہتے ہوئے کمپنی کے عہدیداروں نے بھی امراء اور منصب داروں کے طور طریق اختیار کر لئے تھے۔ اس لئے جب بھی وہ باہر جاتے تو شان و شوکت کا بھرپور مظاہرہ کرتے۔ ان کے ساتھ جھنڈا اٹھانے والا اور ان کا حفاظتی دستہ ہوتا تھا۔ جب وہ کھانے کی میز پر بیٹھتے تو ہر کھانے کی ڈش کا اعلان بگل بجا کر کیا جاتا تھا۔ صدر کمپنی جب بھی ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتا تو اس کے آگے چاندی کا عصا لئے ہوئے ملازم ہوا کرتا تھا۔ جب وہ باہر جاتا تو یا تو وہ گھوڑے پر سوار ہوتا یا پالکی میں اور اگر گاڑی کی سواری کرتا تو اس میں سفید بیل جوتے جاتے تھے۔

ابتداء میں انگریز ان دوغلی عورتوں سے شادیاں کرتے تھے جو پرتگیریوں اور مقامی عورتوں کی اولاد ہوتی تھیں۔ چونکہ ان کی اکثریت رومن کیتھولک عقیدے کی ہوتی تھی اس لئے ان کی اولاد بھی ماں کے زیر اثر کیتھولک ہو جاتی تھی۔ اس لئے کمپنی نے سفارش کی کہ ہندوستان میں ان کے ملازموں کے لئے انگلستان سے عورتیں بھجوائی جائیں۔ اس کے بعد سے کچھ عورتیں انگلستان سے آنے لگیں۔

1698ء میں جب اووئنگٹن سورت آیا تو اس نے فیکٹری کے بارے میں تفصیلات دی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ 1680ء اور 1697ء کے عرصہ میں فیکٹری میں کیا کیا تبدیلیاں آئیں مثلاً" انگریز ملازموں کے ساتھ ساتھ مقامی ملازموں کی تعداد بھی بڑھ گئی اور اب 40 یا 50 چپراسی ہوا کرتے تھے کہ جن کی ماہانہ تنخواہ 4 روپیہ ہوا کرتی تھی

اور یہ لوگ انتہائی ایماندار ہوتے تھے۔ تمام یورپی ایک بڑی میز پر رکھانا کھاتے تھے۔ ان کی نشستیں ان کے عہدے کے مطابق ہوا کرتی تھیں۔ ڈنر شاندار ہوتا تھا۔ اس میں تمام برتن چاندی کے ہوا کرتے تھے۔ بعد میں عرق اور شیرازی شراب پی جاتی تھی۔ کھانا پکانے کے لئے انگریز پرتگیری اور ہندوستانی باورچی ہوا کرتے تھے۔ اتوار کو خاص دعوت ہوا کرتی تھی۔

تہوار کے موقع پر فیکٹرز صدر کے ساتھ باغ میں تفریح کے لئے جایا کرتے تھے صدر اور اس کی بیگم پالکی میں سوار ہوتے تھے اس کے ساتھ دو گھوڑوں پر جھنڈے ہوتے تھے۔ کونسل کے اراکین گاڑیوں میں سوار ہوتے تھے۔ دیوالی اور دوسرے ہندوستان تہواروں پر یہ لوگ کمپنی کے صدر اور فیکٹرز کو قیمتی تحفے تحائف دیا کرتے تھے۔ کمپنی خاص طور سے اس بات کا خیال رکھتی تھی کہ اس کے ملازمین مذہب کی پابندی کریں۔ اس لئے تمام فیکٹرز کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ دو مرتبہ عبادت کے لئے جمع ہوں۔

بعد میں انگریزوں نے سورت کی تجارتی کوٹھی کو قلعہ بند کرا لیا تھا اور بندرگاہ پر جہازوں کے لئے ڈوک تعمیر کرایا تھا۔ کوٹھی اور جہازوں کی حفاظت کے لئے انہوں نے سپاہی مقرر کر دیئے۔(2)

(3)

یورپی تاجروں کے لئے کسٹم ہاؤس اس کے عملے اور ٹیکس سے نمٹنا ایک بڑا مرحلہ ہوا کرتا تھا۔ دستور یہ تھا کہ جیسے ہی جہاز لنگر ڈالتا تھا۔ اس کا کمانڈر کشتی میں بیٹھ کر کسٹم ہاؤس کی طرف آتا تھا اور یہاں آکر اپنی آمد کی اطلاع دیتا تھا۔ اس کے فوراً بعد اس کے جہاز پر حفاظتی دستہ بھیج دیا جاتا تھا تاکہ وہاں سے سامان خفیہ طریقے سے اسمگل نہ ہو سکے۔ کسٹم ہاؤس 10 بجے سے دوپہر تک کھلا رہتا تھا۔ اگر تاجر یا سیاح اس کے بعد آتے تو انہیں دوسرے دن تک جہاز پر انتظار کرنا پڑتا تھا۔ بندرگاہ پر چپراسیوں کی خاص تعداد ڈنڈے لئے ہوئے ہوتی تھی اور لوگوں کو بلا وجہ ادھر ادھر جانے سے روکتی تھی۔ نئے آنے والے صحن پار کر کے بڑے کمرے میں آتے تھے کہ

جہاں افسر بیٹھا ہوتا تھا پہلے ان کے نام لکھے جاتے تھے اس کے بعد ان کی تلاشی ہوتی تھی۔ تلاشی کے بعد شہر میں جانے کی اجازت ہوتی تھی۔ سامان کی تلاشی بعد میں ہوا کرتی تھی۔ کپڑے کے تھان کھول کر دیکھے جاتے تھے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کو جانچا جاتا تھا۔ اس وجہ سے سامان کی تلاشی میں اکثر کئی مہینے لگ جاتے تھے۔ یہ سختی اس لئے کی جاتی تھی کہ اکثر یورپی تاجر ممنوع اشیاء غیر قانونی طور پر لانے کی کوشش کرتے تھے یا کسٹم ڈیوٹی سے بچنا چاہتے تھے۔ صدر اور عورتوں کی تلاشی نہیں لی جاتی تھی۔

بندرگاہ کا انچارج شاہ بندر ہوتا تھا۔ میر بحر ڈیوٹی وصول کرتا تھا۔ اگر کوئی ڈیوٹی سے بچنے کی کوشش کرتا تو اسے سزا دی جاتی تھی۔ اگرچہ اس کا سامان ضبط نہیں کیا جاتا تھا۔ رشوت کے ذریعہ بھی کام نکالا جاتا تھا۔ ٹاورنیر' جو ایک سیاح تھا' لکھا ہے کہ انگریز چاندی اور سونے کی چھوٹی چیزیں بغیر ڈیوٹی کے باہر پہنچاتے تھے وہ وگ پہنتے تھے اور وگ میں سونے کے سکے چھپا لیتے تھے۔ یورپی تاجروں کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ تحفے تحائف دے کر یا اثر و رسوخ استعمال کر کے اپنے تجارتی سامان پر کسٹم ڈیوٹی کم کرائیں یا ہو سکے تو معاف کرا لیں۔(3)اس لئے دربار میں ان تاجروں کے نمائندے مغل امراء کے ذریعہ ان کوششوں میں مصروف رہتے تھے اور اکثر کامیابی کے ساتھ تجارتی سہولتیں حاصل کر لیتے تھے' کسٹم ڈیوٹی کی کمی یا معافی سے ان کے منافع کی شرح بڑھ جاتی تھی۔ مغل دربار میں انگریزوں کی جانب سے ہاکنس اور ٹامس رو سفیروں کی حیثیت سے اسی لئے آئے تھے تاکہ مغل بادشاہ سے ڈیوٹی کا فرمان حاصل کریں۔

(4)

ایسٹ انڈیا کمپنی کی اس مختصر تاریخ اور اس کے انتظامی ڈھانچہ کی تفصیل کے بعد ہمیں اس سوال پر غور کرنا ہے کہ آخر ایسٹ انڈیا کیوں' کس طرح اور کن حالات میں ایک سیاسی طاقت بن گئی؟ وہ کون سی وجوہات تھیں کہ جن کی بنا پر ہندوستانی معاشرے کے مختلف طبقوں نے اس کا ساتھ دیا؟ کچھ مورخوں کا کہنا ہے کہ کمپنی کا ارادہ ابتدا ہی سے ہندوستان پر قبضہ کرنا تھا تاکہ سیاسی طاقت حاصل کر کے وہ اپنے

لئے زیادہ سے زیادہ تجارتی سہولتیں حاصل کر سکے۔ مکرجی نے "ایسٹ انڈیا کمپنی کے عروج و زوال" میں اسی دلیل کو تاریخی شہادتوں اور واقعات سے ثابت کیا ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ کمپنی نے ہندوستان کی سیاست میں باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعہ دخل دیا اور وقت کے ساتھ ساتھ سیاسی اثر و رسوخ حاصل کر کے اپنے لئے تجارتی مراعات حاصل کیں۔ کمپنی کے لئے سیاسی مراعات حاصل کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ اس کے بغیر وہ زیادہ تجارتی فوائد حاصل نہیں کر سکتے تھے اور بغیر مراعات کے انہیں زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔

اس کے مقابلہ میں کچھ مورخوں کی دلیل یہ ہے کہ کمپنی کا نہ تو ہندوستان پر قبضہ کرنے کا کوئی ارادہ تھا اور نہ منصوبہ۔ یہ ایک محض تجارتی کمپنی تھی اور ہندوستان کے خراب ہوتے ہوئے سیاسی حالات نے اسے سیاست میں دخل اندازی کے مواقع فراہم کئے اور وہ بغیر کسی منصوبہ بندی کے سیاست میں داخل ہوتے چلے گئے۔ اس لئے کمپنی حالات کے دباؤ کے تحت ایک سیاسی طاقت بنی اور یہ حالات کا دباؤ ہی تھا کہ وہ مسلسل سیاسی معاملات میں الجھتی رہی۔ کمپنی کو سیاسی طاقت بنانے میں ان لوگوں کا بڑا دخل تھا جو کہ موقع پر موجود ہوتے تھے۔ اس وقت فیصلہ کرتے تھے اور پھر اس پر عمل کرتے تھے۔

زنکن (Zinkin) نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے پھیلاؤ کے بارے میں جو وجوہات دی ہیں وہ یہ ہیں: اس کا کہنا ہے کہ انگلستان اور مشرقی ملکوں کے درمیان تجارت اس لئے شروع ہوئی کہ ٹیوڈر عہد تک انگلستان میں جانوروں کے لئے سردیوں میں چارہ دستیاب نہیں ہوتا تھا' اس لئے انہیں ذبح کر کے اور نمک لگا کر رکھ دیا جاتا تھا۔ اس گوشت کو ذائقہ دار بنانے کے لئے مسالوں کی ضرورت تھی جسے ابتداء میں وینس سے خریدا جاتا تھا' پھر پرتگیزیوں اور ولندیزیوں سے' بعد میں جب سمندری راستے دریافت ہوئے تو انگریز تاجروں نے مسالے لانے کے لئے تجارتی کمپنیاں بنائیں۔ ان کمپنیوں کو جو چارٹر دیئے گئے ان میں کسی علاقے میں قبضہ کا کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ جب اس دور میں "ویسٹ انڈیز" کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی تو اس سے مراد ہندوستان نہیں بلکہ انڈونیشیا تھا' کیونکہ مسالے وہیں سے دستیاب ہوتے تھے۔

ہندوستان میں صرف کیرالہ اور میسور کے کچھ حصوں میں مسالے پائے جاتے تھے۔ مگر وہاں سے زیادہ تجارت نہیں ہوتی تھی۔ مگر 1623ء میں ولندیزیوں نے انگریزوں کو انڈونیشیا سے دھکیل دیا۔ اس لئے انہوں نے ہندوستان کا رخ کیا یہاں سورت' مدراس' بمبئی اور کلکتہ میں اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کیں اور یہاں سے روئی' کپڑا اور سلک برآمد کرنا شروع کر دیا انگلستان میں مسالوں کی مانگ اس وقت کم ہوئی جب اٹھارویں صدی میں وہاں شلجم کی کاشت شروع ہوئی۔ اس لئے انہوں نے ہندوستان سے شورہ اور نیل کی تجارت شروع کر دی۔

اٹھارویں صدی کے درمیان میں ہندوستانی حکمرانوں کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان میں انگریزوں اور فرانسیسیوں نے دخل دینا شروع کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں انہوں نے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ سیاست میں یہ دخل اندازی بغیر کسی منصوبہ بندی کے ہوئی اور اس سلسلہ میں لندن کے احکامات کا بھی انتظار نہیں کیا گیا کیونکہ 1828ء تک خطوط کا جواب آنے میں ڈھائی سال لگتے تھے۔ اس لئے فیصلہ کمپنی کے ملازموں کو کرنا ہوتا تھا۔

بنگال کی فتح کمپنی کی پہلی فتح تھی اور یہ فتح جنگ سے زیادہ سازش کے نتیجہ میں ہوئی اگرچہ ان کا مقصد علاقہ پر قبضہ کر کے حکومت نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ انہیں تجارت کی آزادی مل جائے اس لئے وہ مسند پر اپنی مرضی کا نواب بٹھاتے رہے اور اس سے مراعات حاصل کرتے رہے مگر یہ عمل زیادہ عرصہ نہیں چل سکا اور 1764ء میں انہوں نے ریونیو یا دیوانی کا انتظام سنبھال کر حکومت کے اختیارات حاصل کر لئے۔

زنکن کے مطابق کمپنی کو ہندوستان کی فتح سے کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ وہ ہمیشہ برطانوی حکومت کی مقروض رہی۔ 1828ء میں اس پر چار ملیون پاؤنڈ کا قرضہ تھا۔ اگرچہ کمپنی خود کو جنگوں میں ملوث نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے وزیراعظم پیل (Peel) نے ہارڈنگ سے جو گورنر جنرل ہو کر ہندوستان جا رہا تھا یہ ہدایات دیں کہ: امن برقرار رکھنا' اخراجات کم کرنا' تجارت کو بڑھانا' ہندوستان پر انگریزی اقتدار کو انصاف مہربانی اور دانش مندی سے مضبوط کرنا' بہ نسبت اس کے کہ پنجاب پر قبضہ

کرو۔

اس لئے برطانوی حکومت چاہتی تھی کہ کمپنی مقامی جنگوں میں ملوث نہ ہو کیونکہ وہ جنگوں کو غیر اخلاقی اور مہنگی سمجھتی تھی۔ مگر جو لوگ موقع پر موجود ہوتے تھے وہ جنگ بھی کرتے تھے اور علاقوں پر قبضہ بھی۔ جنگوں میں ملوث ہونا حالات کے تحت ہوا' مثلاً" ویلزلی کو چونکہ فرانسیسیوں سے خطرہ تھا اس لئے 1798ء میں وہ ٹیپو سلطان اور مرہٹوں کے خلاف لڑا اور انہیں شکست دی چونکہ اکثر والیان ریاست بدعنوان تھے اس لئے ان کی ریاستوں پر قبضہ کیا گیا جیسے 1856ء میں اودھ کی ریاست روسی خطرہ کی وجہ سے سندھ پر حملہ کیا گیا اور اسی کی وجہ سے دو افغان جنگیں لڑی گئیں۔ اس لئے انگریزی فتوحات کی ذمہ داری ان لوگوں پر تھی کہ جو موقع پر موجود ہوتے تھے اور حالات کے تحت فیصلہ کرتے تھے اور لندن سے احکامات کا انتظار نہیں کرتے تھے۔

فتوحات کے نتیجہ میں جو لوٹ مار ہوئی یا نا انصافیاں ہوئیں ان کا جواز ز نکن یہ دیتا ہے کہ کلائیو کی لوٹ مار یا وارن ہیسٹنگ کا اودھ کی بیگمات سے برا سلوک یا ناجائز تجارت' ان میں حکومت برطانیہ شریک نہیں تھی۔ نہ ہی اس میں کمپنی کے لوگ شریک تھے۔ بلکہ یہ انفرادی عمل تھے۔ اس لئے اس کی ذمہ داری حکومت برطانیہ اور کمپنی پر نہیں آتی اور اس لئے کلائیو اور وارن ہسٹنگ دونوں پر مقدمات چلائے گئے اور ویلزلی پر مقدمہ چلتے چلتے رہ گیا۔

ز نکن آگے چل کر کہتا ہے کہ برطانیہ کے لوگ ہندوستان کی فتح اور اس کے پورے عوامل سے واقف نہیں تھے۔ بنگال کی فتح کا علم انہیں 7 سالہ جنگ کے بعد ہوا' دیکھا جائے تو انگریزوں نے محض "تاریخی اتفاق" کے تحت ہندوستان پر قبضہ کیا اور جب قبضہ ہو گیا تو اسے بہتر طریقہ سے اپنے پاس رکھا۔ ہندوستان برطانوی تاج کا سب سے زیادہ درخشندہ ہیرا تھا اور وہ اسے کسی قیمت پر بھی چھوڑنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ اس کی وجہ سے ان کی امپائر کی عزت تھی۔

جب ہندوستان فتح ہوا تو اس کی اہمیت دیکھتے ہوئے برطانیہ کو ہندوستان تک کے بحری راستوں کی حفاظت کی ضرورت ہوئی۔ اس لئے 1804ء میں مالٹا پر قبضہ کیا کہ

جس کے بارے میں نیلسن نے کہا کہ "یہ ہندوستان سے باہر سب سے اہم قلعہ ہے" راس امید اور سری لنکا پر اس لئے قبضہ کی ضرورت پیش آئی تاکہ ہندوستان کی حفاظت کی جائے۔

زنکن آگے چل کر لکھتا ہے کہ اگر ہندوستان برطانیہ کے پاس نہیں ہوتا تو اسے اپنے دفاع کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ یورپ میں اس کا کسی ملک سے کسی علاقہ پر جھگڑا نہیں تھا مگر ہندوستان کی سرحدیں پھیلی ہوئی تھیں اس لئے ایران' افغانستان' روس' چین' نیپال اور تھائی لینڈ ان سب سے حفاظت کے لئے اسے ہندوستان کا دفاع کرنا پڑا اور ہندوستان پر قبضہ کو قائم رکھنے کے لئے بحر ہند' سنگاپور' عدن' عباسہ سے کولمبو اور ڈربن سے پرتھ پر اس نے قبضے کئے۔ برطانیہ کو ایک بڑی فوج بھی اس لئے رکھنا پڑی کہ ہندوستان کا دفاع کیا جائے۔ فوج اور اس کے یہ اخراجات ہندوستان دیتا تھا۔ کیونکہ یہ اس کے مفاد میں تھا۔(4)

(5)

ایک اور انگریز مورخ الفرڈ لوئل نے بھی اس چیز کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کو جو کامیابیاں ہوئیں اور انہوں نے ان کامیابیوں کے نتیجہ میں جو سلطنت قائم کی وہ محض حادثات و واقعات کا نتیجہ تھی جسے "اندھے پن کی فتوحات" کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ ابتداء میں کمپنی کا مفاد اس پر تھا کہ فتوحات پر توجہ نہیں دی جائے اور تمام توانائیاں صرف تجارت کے فروغ پر ہوں۔ مگر ہندوستان جیسے ملک میں جو کہ انگلستان سے دور تھا اور جہاں سیاسی انتشار عدم استحکام تھا وہاں تجارتی مال کی حفاظت اور تجارتی قافلوں کے تحفظ کے لئے ضروری تھا کہ تجارتی کوٹھیاں قائم کی جائیں اور ان کی حفاظت کے لئے فوج رکھی جائے۔ اس طرح جہازوں کی حفاظت کے لئے بھی فوج کا رکھنا لازمی تھا اس لئے کہ سمندروں میں بحری ڈاکوؤں کا خطرہ ہوتا تھا اور اگر ایک جہاز بھی لٹ جائے تو سارا منافع اس کی نظر ہو جاتا تھا۔

ابتداء میں انگریزوں کی جنگیں یورپی اقوام سے ہوئیں جو چاہتی تھیں کہ تجارت پر صرف ان کی اجارہ داری رہے۔ دیکھا جائے تو یہ جنگیں یورپی تجارتی

کمپنیوں کے درمیان ہوا کرتی تھیں۔ ملکوں کے درمیان نہیں۔ اس نے جب پرتگال اور انگلستان میں صلح تھی اس وقت بھی یہ تجارتی مفادات کے تحت ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔

1687ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی نو آبادیوں میں خودمختاری اختیار کرتے ہوئے وہاں قلعے بنوائے' سکے جاری کئے اور ساتھ ہی مقامی لوگوں کو بھرتی کر کے فوج رکھنا شروع کر دی ان کی فوج میں ابتداء میں آرمنی' عرب' نیگرو اور دوغلے پرتگیزی ہوتے تھے۔ جب فوج رکھ لی تو اس نے فتوحات کا جذبہ پیدا کیا فتوحات کا یہ جذبہ ہندوستان کے سیاسی بگاڑ کی وجہ سے زیادہ شدت کے ساتھ ابھرا اس لئے ان کی خواہش ہوئی کہ ایک ایسی مضبوط سلطنت قائم کی جائے کہ جو ہندوستان کی چھوٹی ریاستوں کو ختم کر کے جنگوں کے سلسلہ کو بند کر دے اور پھر وہ سیاسی تسلط کے بعد امن و امان سے اپنے تجارتی مفادات کو حاصل کر سکیں۔

انگریزوں کے لئے ہندوستان میں ایک بڑی فوج کا رکھنا مشکل تھا' مگر اس کا حل انہیں ہندوستان کی روایات میں مل گیا' وہ یہ کہ ضرورت کے وقت فوج کرایہ پر دے کر اس سے خرچہ پورا کیا جائے' چنانچہ تخت نشینی کے جھگڑوں' بغاوتوں کے دفاع اور لگان کی وصولیابی کے لئے انہوں نے اپنی فوج کرایہ پر دینی شروع کر دی جب ان کی فوجوں کو کامیابی ہوئی اور انہوں نے کامیابی سے بغاوتوں کو کچلا تو اس سے ان کی عزت و وقار میں اضافہ ہوا اور ساتھ ہی انگریزوں کو یہ احساس ہوا کہ وہ ہندوستان کی فوجوں کو آسانی سے شکست دے سکتے ہیں۔ چنانچہ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے جنوبی ہندوستان کی ریاستوں میں دخل اندازی شروع کر دی۔ تنجور' کرناٹک اور حیدر آباد دکن کی جنگوں میں انہوں نے اپنی پسند کے امیدواروں کے حق میں لڑ کر فوائد حاصل کئے۔

ہندوستانی فوج کی کمزوری اور ان میں نظم و ضبط کی کمی کا اندازہ سب سے پہلے فرانسیسیوں نے لگایا تھا اور اس کا حل انہوں نے یہ نکالا تھا کہ ہندوستانیوں کو تربیت دے کر انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے بعد میں انگریزوں نے بھی انہیں طریقوں کو اختیار کیا۔(5)

انگریزوں میں تجارت کی وجہ سے ذہنی کشادگی آگئی تھی اور اس وجہ سے انگلستان میں نئے نئے نظریات و افکار تشکیل پا رہے تھے۔ اس لئے ہندوستان میں کامیابی کے لئے انہوں نے مذہب کا سہارا نہیں لیا اور اس قسم کی کوئی کوشش نہ کی کہ لوگوں کا مذہب بدلا جائے جیسا کہ پرتگیزیوں نے کیا تھا۔ بلکہ انہوں نے مذہب کو کھلا چھوڑ دیا اور صرف معاشی مفادات کے حصول کے لئے جدوجہد کی۔

(6)

انگریزوں کو ہندوستان میں اس وقت کامیابی نہیں ہو سکتی تھی' جب تک کہ خود ہندوستانی معاشرے کی ٹوٹ پھوٹ' اختلافات اور کمزوریاں ان کا ساتھ نہیں دیتیں۔ اس لئے کہ ایک تجارتی کمپنی کی حیثیت سے ان کے ساتھ تعاون کرنے والے ہندوستانی بنئے تھے۔ ان کی فوج میں بھرتی ہونے والے ہندوستانی سپاہی تھے۔ آخر وہ کون سی وجوہات تھیں کہ ہندوستانیوں نے طبقاتی شکل میں اور انفرادی طور پر ان کا ساتھ دیا اور انہیں ہندوستان کو فتح کرنے میں مدد دی؟

ان میں سے ایک سب سے بڑی وجہ ہندوستانی معاشرے کی حکمران طبقے پر انحصاری تھی۔ بادشاہ' امراء اور پھر قبیلہ برادری' خاندان کے بزرگ پر چھوٹے اور کم اختیارات والے انحصار کرتے تھے اور اس وجہ سے ان کی خود کی اپنی شخصیت کچل کر رہ جاتی تھی۔ انحصاری کے اس رجحان کی وجہ سے وہ اس ہر شخصیت' طاقت اور فرد کا ساتھ دیتے تھے جو انکی زندگی کو تحفظ فراہم کرے اور جس کی وجہ سے وہ زندگی گزارنے کے لئے مالی امدادی پا سکیں۔ اس نے صاحب اقتدار کے ساتھ ان کی وفاداری رہتی تھی اور اس کو تبدیل ہونے میں کوئی زیادہ وقت بھی نہیں ہوتی تھی اور جو ایک مرتبہ ان کو معاشی تحفظ فراہم کر دیتا تھا۔ اس کے ساتھ ان کی وفاداری کی جڑیں گہری ہو جاتی تھیں۔

اس کے بعد ان طبقوں کے مفادات تھے کہ جو مغل سلطنت میں رہتے ہوئے پورے نہیں ہو رہے تھے۔ خصوصیت سے تاجر طبقہ کے - ہندوستان میں بحری طاقت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہندوستانی تاجروں کو یہ فائدہ ہوا کہ وہ اپنا مال یورپی تاجروں

کے ذریعہ دوسرے ملکوں میں بھجوانے لگے۔ کیونکہ مغل معاشرہ میں معاشرہ کی ضروریات سے زیادہ پیداوار ہونے لگی تھی مگر اس پیداوار کے لئے منڈیاں نہیں تھیں۔ اس لئے ہندوستانی تاجروں نے یورپی تاجروں کو خوش آمدید کہا تاکہ ان کے ذریعہ وہ اپنے مال کی کھپت کر سکیں۔ مگر اس کا ایک نقصان یہ ہوا کہ ہندوستانی تاجروں کو پورا پورا منافع نہیں مل سکا اور اس کا زیادہ فائدہ یورپی تاجروں کو ہوا۔ اس لئے ہندوستان میں بورژوا طبقہ نہیں ابھر سکا جبکہ یورپ میں صنعتی انقلاب آگیا۔

اس کا دوسرا نقصان یہ ہوا کہ ہندوستانی تاجروں نے یورپی تاجروں کے مفادات کے لئے کام کیا اور ان کی ضروریات کی چیزوں کی پیداوار بڑھائی اس لئے وہ اپنی خود مختار حیثیت قائم نہیں کر سکے۔ مگر اس طرح سے ان کے مفادات یورپی تاجروں کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔(6)

دوسری طرف مغل حکمرانوں کی بھی یہ ضرورت تھی کہ یورپی تاجر ہندوستان میں آئیں۔ پرتگیریوں نے اپنے مذہبی تشدد اور ظالمانہ رویہ کی وجہ سے حکومت و عوام میں نفرت پیدا کر دی تھی اس لئے مغل دربار نے انگریز تاجروں کو زیادہ مراعات دیں تاکہ وہ پرتگیریوں کے اثر کو ختم کر سکیں۔ انگریز تاجر تجارتی سہولتوں کی خاطر مغل دربار کی بدعنوانیوں سے فائدہ اٹھا کر اپنی مرضی کا فرمان حاصل کر لیتے تھے۔ ان تجارتی مراعتوں کی وجہ سے انگریز اور دوسری یورپی تاجر مقامی تجارت میں دخل اندازی کرنے لگے جس سے مقامی تاجروں کو نقصان ہوا اور وہ ان سے برابر کا مقابلہ نہ کر سکے بلکہ ایک لحاظ سے ان کے محتاج ہو کر رہ گئے اور ان کے ذریعہ وہ بھی تجارت میں شریک ہو کر منافع کمانے لگے۔ اس لئے کمپنی اور ہندوستانی تاجروں کے مفاد اس طرح سے ایک ہو گئے اور یہ ان کے مفاد میں شامل ہو گیا کہ کمپنی کی تجارت محفوظ رہے۔ اس لئے ضرورت کے وقت ہندوستانی تاجروں نے کمپنی کی مدد بھی کی مثلاً" مدراس میں یہ مدد بنگال سے آتی رہی۔

کورٹ آف ڈائریکٹرز نے ہندوستان کی صورت حال کو دیکھتے ہوئے یہ مشورہ دیا کہ ہندوستان میں یورپی گماشتوں کے بجائے مقامی لوگوں کو بھرتی کیا جائے خصوصیت سے آرمنی تاجروں کو جو کہ ہندوستان کے اندرونی علاقوں میں جاکر وہاں سے اچھا کپڑا

خرید سکیں۔ اس طرح سے یہ آرمینی تاجر کمپنی کے وفادار بن گئے۔

دوسرا تاجروں کا گروہ جس نے کمپنی کا ساتھ دیا وہ مشرقی ہندوستان کے دادنی تاجر تھے یہ دادنی اس لئے کہلائے کہ انہیں یورپی تاجروں نے پیشگی روپیہ دیا تاکہ یہ جولاہوں سے کپڑا تیار کرائیں۔

بنگال میں ہندو ساہوکاروں نے جن میں جگت سیٹھ اور امی چند قابل ذکر ہیں انگریزوں کا ساتھ دیا۔ بنگال میں یہ ساہوکار بڑے دولت مند تھے اور اس قابل تھے کہ یہ امراء کو قرض دیتے تھے۔ دہلی کو لگان کا حصہ بھجواتے تھے اور سکے ضرب کراتے تھے۔ ان کے کمپنی سے اس لئے تعلقات تھے کہ کمپنی زراعتی پیداوار خریدتی اور چاندی کی صورت میں اس کی نقد ادائیگی کرتی تھی۔ اس لئے جب سراج الدولہ نے کمپنی کے خلاف قدم اٹھایا تو اس سے بنگال کے تاجروں کے مفادات کو نقصان پہنچا اور اس لئے انہوں نے کمپنی کا ساتھ دیا۔ بنگال کی فتح نے کمپنی کی مالی حالت کو بہتر بنا دیا کیونکہ اسے 30ملیون روپیہ بنگال سے بطور لگان وصول ہونے لگا۔

اس طرح کمپنی کی حمایت اور اس کے ساتھ تعاون کرنے والوں کا حلقہ بڑھتا چلا گیا۔ مترجم' گماشتے' بنئے' مقامی تاجر اور مغل زوال کے بعد امراء کا طبقہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ان کے ساتھ شامل ہوتا چلا گیا۔ سیاسی انتشار نے بیروزگاری میں اضافہ کیا تو کمپنی کو فوجی آسانی سے ملنے لگے اور جب مغل حکومت کے ریاستی ادارے ٹوٹے تو انتظامیہ لوگ ان کی ملازمت میں آ گئے' جن میں خصوصیت سے مسلمان مفتی' قاضی اور عدلیہ میں صدر' منصف اور پولیس میں کوتوال وغیرہ شامل تھے۔

اسی دوران کمپنی اندرونی اصلاحات کے ذریعہ بدعنوانیوں کو ختم کر رہی تھی اور ان کے خلاف تحریک چلا رہی تھی۔ اسی لئے کلائیو اور وارن ہیسٹنگ پر مقدمات چلائے گئے اور وہ لوگ جو ناجائز طور پر ہندوستان سے دولت کما کر گئے تھے اور نواب کہلاتے تھے ان کی دولت اور رویہ کے خلاف احتجاجات ہوئے اور قانون کے ذریعہ یہ کوششیں کی گئیں کہ بدعنوانیوں کو ختم کیا جائے۔ 1773ء میں ریگولیٹنگ ایکٹ کے ذریعہ کمپنی کے ملازموں پر پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ کوئی تحفہ قبول نہ کریں۔ 1764ء

میں پٹس انڈیا ایکٹ کے ذریعہ کمپنی کے معاملات پر بورڈ آف کنٹرول کے تحت آگئے۔ اس کے بعد سے کمپنی میں انتظامیہ کی تربیت کا سلسلہ شروع ہوا اور ملازمین کے لئے ایماندار و با صلاحیت ہونا لازمی ٹھہرا۔ ان کی تنخواہوں کی شرح بڑھائی گئی اور ان کو زیادہ سے زیادہ مراعات دی گئیں تاکہ وہ رشوت نہ لیں اور بدعنوان کا ارتکاب نہ کریں۔

ان اصلاحات کے نتیجہ میں کمپنی ایک مضبوط ادارہ کی شکل میں ابھری اور اس نے ہندوستان پر اپنے سیاسی اقتدار کو مستحکم کر لیا۔ اس مختصر سے تجزیہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہندوستان میں کمپنی کے عروج میں ایک طرف تو ہندوستانی معاشرہ کی داخلی کمزوریاں تھیں اور دوسری طرف یورپی معاشرہ کی تبدیلیاں اور کمپنی کے رویہ میں برابر وقت و حالات کے لحاظ سے تبدیلی تھی۔ ان دونوں عوامل کی وجہ سے انگریز ہندوستان پر قابض ہوئے۔

حوالے

-1

Philip Anderson :The English in Western India. London, 1856. P.P.5-7.

2- ایضاً: ص 97-268

John Fryer :A new Account of East India and Persia. Vol.1, London, 1909, P.214-18.

3- ٹاورنیر: 1 __ 12

اینڈرسن: 156-159

فرائر: 1 __ 247-248

-4

J.B. Tavermier :Travels in India. Vol.1, London 1925, P.7

Manucci :Storia do Mogor. London, 1908, Vol. 1,P.62.

Maurice & Taya Zinkin :**Britain and India, Requiem for** an Empire London, 1929, PP.11-31.

A. Loyal :The Rise and Expansion of the British dominion in India London, 1929, PP.34-49

7- رام کرشن مکرجی: رائز اینڈ فال آف دی ایسٹ انڈیا کمپنی

لاہور - 1976ء - ص: 218-216

چودھواں باب

1857ء

ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان میں اس وقت استحکام ملا' جب مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہو رہی تھی اور اس کے خلاف ہندوستان کے مختلف حصوں میں قومی و عوامی تحریکیں اٹھ رہی تھیں۔ ایک نظام جس کی جڑیں انتہائی مضبوط تھیں' شکستہ ہو کر گر رہا تھا اس نے معاشرے کے ہر طبقہ کو متاثر کیا کیونکہ ایک مضبوط اور فلاحی مملکت کے بغیر نہ تو ملازمت کا تحفظ تھا' نہ جائیداد کا اور نہ مال و دولت کا۔ آئے دن کی سیاسی تبدیلیاں' حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ' خانہ جنگیاں اور مختلف فوجی جماعتوں کی لوٹ مار نے ملک کے ہر حصے کے لوگوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ ان حالات میں مغلیہ سلطنت کے صوبے آزاد ہو رہے تھے اور وہاں نئی نئی حکومتیں بن رہی تھیں جو ایک دوسرے کے خلاف جھوٹ' دغا بازی' فریب' دھوکہ اور جعلسازی کے ہتھیار استعمال کر کے ایک دوسرے کو ختم کرنے کی فکر میں تھے ان حکومتوں اور ریاستوں کے دربار سازشوں کے گڑھ تھے۔

معاشی عدم تحفظ نے معاشرے کو اخلاقی طور پر انتہائی پستی میں گرا دیا تھا۔ چاہے امراء کا طبقہ ہو یا عوام کا ان سب کے سامنے بڑا مسئلہ معاش کا تھا۔ جاگیردار طبقہ اپنی جاگیر اور جائیداد کے تحفظ کے لئے پریشان تھا۔ معاشرے کی اخلاقی قدریں اسی معاشی تحفظ کی وجہ سے ایک ایک کر کے ختم ہو رہی تھیں۔ لوگوں کے لئے مذہب' ملک و قوم اور ملت سے بالا تر جو چیز تھی وہ معاشی تحفظ تھا۔ اس لئے اس انتشار کے دور میں مذہبی تشدد اور تعصب کم ہو گیا۔ جب لوگ ملازمت کی تلاش میں سرگرداں ہوتے تو وہ ہر اس امیر اور جاگیردار کی ملازمت اختیار کر لیتے جہاں انہیں معاشی تحفظ ملنے کی امید ہوتی تھی۔ ان حالات میں ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کی سیاست میں ایک ادارے کی حیثیت سے ابھری اس نے اپنی ابتدائی دور میں ہندوستانی

ریاستوں کے جھگڑوں سے باقاعدہ فائدہ اٹھایا اور اپنے لئے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کیں اس ابتدائی دور میں کمپنی کے حکام نے خود کو ہندوستانی ثقافت اور کلچر میں اس حد تک ضم کر لیا تھا کہ انہوں نے یہاں کی تمام روایات اور اقدار کو اختیار کر لیا تھا اس لئے یہ لوگ ہندوستانی عوام کے لئے غیر ملکی نہیں رہے تھے ہندوستانی سیاست میں جو روایات' اصول اور رواج تھے یہ ان میں بھی اس قدر ماہر ہو گئے تھے کہ اپنے اقتدار کے لئے انہوں نے ان ہی طریقوں کو استعمال کیا جو ہندوستان کی ریاستوں میں ہوتے تھے یعنی معاہدوں کی خلاف ورزی دھوکہ اور فریب سے اپنے دشمنوں کو قتل کرانا' رشوتیں دے کر اعلیٰ عہدے خریدنا وغیرہ۔

ہندوستان کی ریاستوں میں یہ درد ناک اور عبرت ناک مناظر دیکھنے میں آتے تھے کہ حکمران بننے کی خواہش میں بھائی بھائی اور باپ بیٹے میں اختلافات ہو جاتے جو قتل یا زہر دینے کی واردات پر ختم ہوتے تھے۔ ہندوستانی سیاست اور ڈپلومیسی کی جو اقدار اس دور میں مضبوط ہو چکی تھی' کمپنی نے انہیں طریقوں کو استعمال کیا۔ مثال کے طور پر یہاں چند واقعات لکھے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہو گا کہ ہندوستان کی سیاست کن اصولوں پر پروان چڑھ رہی تھی: علی وردی خاں' والی بنگال نے 21 مرہٹہ جنرلوں کو بھاسکر سمیت اپنے خیمہ میں دھوکے سے بلا کر قتل کرا دیا۔(1)اس دور میں قانونی حکمران کا بھی تصور ختم ہو چکا تھا ایک خاندان کو ختم کر کے دوسرا خاندان اقتدار حاصل کر لیتا تھا۔ بنگال میں علی وردی خاں نے سرفراز خاں کو جو مرشد قلی خاں کے خاندان سے تھا' حکومت سے ہٹا کر خود قبضہ کر لیا۔ یہی حال میسور میں تھا' جہاں حیدر علی نے زبردستی اقتدار پر قبضہ کیا تھا' عوام ان نئے حکمرانوں کو طاقت کی وجہ سے تسلیم کر لیتے تھے۔

دھوکہ سے اپنے حریفوں اور دشمنوں کو قتل کرانے کی عام روایت تھی صفدر جنگ والی اودھ نے دھوکے سے قائم خاں بنگش والی فرخ آباد کی بیوی اور بیٹیوں کو گرفتار کیا اور بیٹوں کو قتل کرایا۔(2)شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خاں کے قتل کے بعد ان کا مال و اسباب ضبط کیا اسے کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا۔(3)شجاع الدولہ کی عادت تھی کہ قرآن پر قسمیں کھا کر اس پر معاہدے لکھ کر' اس کی خلاف ورزی کرتے

تھے۔

جب یہ ریاستیں آپس میں لڑتیں تو فتح کی صورت میں لوٹ مار قتل و غارت گری ایک عام بات تھی اور اس میں مذہب و ملت کی کوئی تفریق نہیں ہوتی تھی۔ 1748ء میں افغانوں نے جب پٹنہ پر قبضہ کیا تو دھوکے سے وہاں کے گورنر زین الدین کو قتل کیا اور اس کے بوڑھے باپ حاجی احمد کو اس قدر اذیتیں دیں کہ وہ مر گیا۔(4)

جنگ کے وقت یا عیاشیوں کے لئے جب ضرورت ہوتی تو نواب و راجہ مہاجنوں' تاجروں اور زمینداروں سے زبردستی پیسہ وصول کرتے تھے اور اس سلسلہ میں ہر قسم کا حربہ استعمال کیا جاتا تھا۔ علی وردی خاں نے جب اپنی فوج بڑھائی تو اس کا خرچہ ایک کروڑ اسی لاکھ روپیہ ہوتا تھا یہ روپیہ اس نے زبردستی اپنی رعایا سے وصول کیا انگریز اور فرانسیسی تاجروں نے بھی نواب کے حکم پر روپیہ دیا۔(5)ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے عہدیداروں نے ہندوستان کی ان ہی سیاسی روایات کو اختیار کیا اور اپنی کامیابی کے لئے ان ہی طریقوں کو استعمال کیا۔ اس لئے بنگال میں جہاں انہوں نے سب سے پہلے سیاسی اقتدار حاصل کیا۔ درباری سازشوں' رشوت اور معاہدے کی خلاف ورزی کے ان ہی طریقوں کو استعمال کیا جو ہندوستان میں اس وقت رائج تھے اس لئے کسی کے دل میں ان باتوں کی وجہ سے کمپنی کے لئے کوئی نفرت پیدا نہیں ہوئی۔

کمپنی کی فوج میں اکثریت ہندوستانی فوجیوں کی تھی۔ انہوں نے یہ ملازمت اس لئے اختیار کی کہ کمپنی نے انہیں ملازمت کا تحفظ دیا۔ اس لئے جو ایک مرتبہ ملازمت اختیار کر لیتا وہ اسے چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا تھا۔

وہ کمپنی کے لئے محض اس لئے جان دینے کو تیار تھے کہ اس نے روزگار فراہم کیا تھا اور اسی وجہ سے وہ انتہائی وفاداری سے اپنے ہم مذہبوں اور ہم قوموں سے لڑا کرتے تھے۔

(1)

ہندوستان کی ریاستیں سازش' دھوکہ' فریب اور بدعنوانیوں کی ایک مکمل تصویر

تھیں۔ کمپنی کے عہدیدار بھی اس سے مختلف نہیں تھے۔ رشوت لینے اور دولت اکٹھا کرنے میں وہ ہر قسم کے حربے استعمال کرتے تھے جہاں تک اخلاقی حالت کا تعلق تھا' اس میں بھی دونوں ایک تھے۔ اسی طرح فوجی لحاظ سے اس وقت تک کمپنی ہتھیاروں اور اسلحہ میں ہندوستانیوں سے برتر نہیں تھی۔ لیکن ایک امر جو کمپنی کی کامیابی کا سبب بنا وہ یہ تھا کہ کمپنی کے عہدیدار بالکل خود مختار نہیں تھے۔ ان پر ایک اور طاقتور ادارہ "کورٹ آف ڈائریکٹرز" تھا یا انگلش پارلیمنٹ کی دخل اندازی۔ جس کی مثال کلائیو اور وارن ہسٹنگز ہیں جن پر بدعنوانیوں کے سلسلہ میں مقدمات چلے۔

ان کی کامیابی میں ایک اور اہم عنصر ہندوستانیوں میں قومی جذبہ کا فقدان تھا عوام کی اکثریت کے لئے حکومت کی تبدیلی چنداں اہم نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ ان کے لئے ہر نظام استحصالی نظام تھا چاہے وہ ہندوستانی حکمران ہوں یا غیر ملکی - اس لئے جب کمپنی کی سیاسی حیثیت مستحکم ہوئی اور اس نے حکومت کے اداروں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تو عوام نے اسے بغیر کسی احتجاج کے تسلیم کر لیا شائد کسی کو اس کا احساس بھی نہیں ہوا کہ ہندوستان کی سیاست میں ایک انقلابی تبدیلی آچکی ہے کمپنی کی سیاسی فتوحات یقیناً" استعمار اور سامراج کی مظہر تھیں' لیکن اس کے دور رس تاریخی نتائج بر آمد ہوئے' ہندوستان کی بدقماش اور نا اہل ریاستیں ایک ایک کر کے ختم ہو گئیں اور لارڈ ڈلہوزی کے الحاق کے نظام نے جس نے تنجور' جھانسی' ناگ پور' اودھ اور دوسری ریاستوں کو مختلف سیاسی بہانوں' حیلوں اور طریقوں سے ختم کر کے کمپنی کے تحفظ میں لے لیا اس سے یہ ہوا کہ ہندوستانی عوام کو ہمیشہ کے لئے ان عیاش طبع اور نکمے حکمرانوں سے نجات مل گئی۔ یہ الحاق تاریخی لحاظ سے ہندوستان کی ترقی کے لئے بے انتہا موثر ثابت ہوا کیونکہ جب آگے چل کر انگریزوں کے خلاف آزادی کی تحریک چلی تو اس میں سب سے زیادہ فعال اور با شعور عوام ان ہی علاقوں کے تھے جہاں انگریزوں کی حکومت تھی جہاں جہاں راجاؤں اور نوابوں کی ریاستیں تھیں وہاں عوام سیاسی لحاظ سے ان سے بہت پیچھے تھے تاریخ نے یہ ثابت کر دیا کہ لارڈ ڈلہوزی کے سیاسی عزائم چاہے کچھ ہوں لیکن اس کے اس عمل نے ہندوستان کے عوام کی اکثریت کو ایک بدترین استحصالی نظام سے نجات دلائی اس لئے ہم اودھ کی ریاست پر کوئی ماتم

نہیں کرتے۔ اس کا مرثیہ پڑھنے والے دربار کے متوسلین' شاہی خاندان کے افراد' گویئے اور بھانڈ تھے جو بغیر محنت کے وظیفوں و انعامات پر گزارا کرتے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عوام کو اس اندھیرے سے نجات ملی جو صفدر جنگ سے لے کر واجد علی شاہ تک ان پر چھایا ہوا تھا یہی حال کم و بیش ہندوستان کی دوسری ریاستوں کا تھا۔

(2)

ہندوستان میں کمپنی کی حکومت ان خیالات و نظریات سے متاثر ہو رہی تھی جو اس وقت انگلستان میں رونما ہو رہے تھے۔ صنعتی انقلاب کے ساتھ ساتھ نئے سماجی و سیاسی نظریات جو اس انقلاب کے نتیجہ میں پیا ہو رہے تھے اس کے اثرات ہندوستان میں بھی محسوس کئے جا رہے تھے۔ کمپنی اپنا تسلط برقرار رکھنے کے لئے نئی نئی اصلاحات اختیار کر رہی تھی کمپنی کی یہ اصلاحات ہندوستان جیسے قدامت پسند ملک کے لئے اور روایت پسند عوام کے لئے انتہائی ناگوار تھیں اس لئے ان اصلاحات نے ایک منجمد معاشرے کو ہلا کر رکھ دیا اور اس سے معاشرے کی مذہبی و سیاسی و سماجی اقدار بری طرح متاثر ہوئیں مثلاً":

(1) سڑکیں بناتے وقت اگر مندر یا مسجد کو گرایا جاتا تو اس پر ناراضگی پھیلتی۔

(2) ہسپتالوں میں عورتوں کی بے پردگی کا شکوہ کیا جاتا۔ اس پر بھی احتجاج ہوتا کہ ہسپتالوں میں مریضوں کے لئے ذات پات کی تفریق نہیں کی جاتی۔

(3) ریلوے کا نظام شروع ہوا تو اس میں بھی ذات پات کے امتیاز کے بغیر ہر کوئی ڈبہ میں بیٹھ سکتا تھا ایک برہمن کے لئے ریل میں کھانا کھانا اپنی ذات سے ہاتھ دھونے کے برابر تھا کیونکہ وہ ریل کے ڈبہ میں کھانے کی تمام رسومات پوری طرح سے ادا نہیں کر سکتا تھا۔

(4) بیوہ کی شادی کا قانون پاس ہوا تو اسے مذہبی معاملات میں مداخلت تصور کیا گیا۔

(5) جیلوں میں قیدیوں کے لئے ایک جگہ کھانے پکانے پر جھگڑا ہوا۔

(6) مغربی تعلیم اور لڑکیوں کی تعلیم بھی قبول نہیں ہوئی۔

(7) ستی کے خاتمہ نے مذہبی طبقہ میں ناراضگی پیدا کی۔

(8) قوانین ضبطی اراضی (1819ء) جس کے ذریعہ سے حکومت نے لوگوں کی اراضی' جاگیر پر قبضہ کر لیا تھا' اس سے جاگیرداروں اور زمینداروں میں غم و غصہ پھیلا۔

(9) پنڈتوں کے اثر و رسوخ میں اس وقت کمی آئی جب جگہ جگہ عدالتیں قائم ہونا شروع ہو گئیں کیونکہ لوگ فیصلوں کے لئے عدالتوں کا رخ کرنے لگے۔

فوجی اصلاحات نے سپاہیوں میں بے چینی پیدا کی۔ انگریزی فیشن میں ڈرل' انگریزی فیشن کی حجامت ڈاڑھی منڈوانا' ایک ہی قسم کی یونیفارم کا استعمال پیشانی پر تلک اور کانوں میں بالیاں پہننے کی ممانعت پگڑی کی جگہ ٹوپی پہننے کا حکم' فوج کی جب افغانستان اور برما جانے کا حکم ہوا تو اسے بھی انہوں نے اپنی ذات پات کے لئے خطرہ سمجھا' جب ایک نئی قسم کی ٹوپی پہننے کا حکم ہوا جس میں چمڑا لگا ہوا تھا تو اسے ہندو اور مسلمان دونوں نے ناپاک خیال کیا۔(6)

کارتوسوں کا استعمال بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھا یہ جان بوجھ کر نہیں بنائے گئے تھے کہ ان کے ذریعے ہندوستانیوں کا مذہب بگاڑا جائے بلکہ یہ کاروباری نقطہ نظر سے بنائے گئے تھے۔

ان اصلاحات نے ایک طرف تو ہندوستان کے عوام میں بدگمانیاں پیدا کیں تو دوسری طرف فوج میں بے چینی پیدا ہوئی۔ تاریخ کے اس موڑ پر یہ نئی اور پرانی اقدار کا تصادم تھا اس تصادم کے نتیجہ میں 1857ء کا المیہ پیش آیا۔ اس انقلاب میں کمپنی کی حکومت بہرحال ایک ترقی پسند سامراجی قوت تھی جبکہ ہندوستانی طاقتیں رجعت پسند تھیں۔ 1857ء دو استحصالی نظاموں کے درمیان ایک تصادم تھا اس میں کامیابی اسے ہی ہونا تھی جو ترقی پسند تھا۔ اس لئے اہل ہندوستان کی ناکامی ان کی روایت پرستی' رجعت پرستی اور قدامت پرستی کی شکست تھی۔

(3)

1857ء کے ہنگامہ کو مختلف نقطہ ہائے نظر سے دیکھا جا سکتا ہے ان میں سے ایک نقطہ نظر فوجیوں کا تھا جنھوں نے اس بغاوت کی ابتداء کی تھی ان کی بغاوت کے پیچھے کمپنی کی فوجی اصلاحات تھیں جنھوں نے ان میں بدگمانی پیدا کیں کہ ان کی وجہ سے ان کا مذہب اور ذات پات خطرے میں ہے بغاوت کے بعد فوجیوں نے بہادر شاہ ظفر' نانا صاحب' جھانسی کی رانی اور لکھنؤ کی حضرت محل کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ ان مظالم کے خلاف جو کمپنی نے ان کے ساتھ کئے ہیں۔ ان کا ساتھ دیں اور اس انقلاب کی رہنمائی کریں۔ 1857ء سے پہلے ان تمام راہنماؤں کے کمپنی اور اس کے عہدیداروں سے اچھے تعلقات تھے۔ اس لئے انہوں نے آخر وقت تک فوجیوں کا ساتھ دینے میں پس و پیش کیا اور بعض صورتوں میں فوجیوں کی دھمکی سے مجبور ہو کر ان کے ساتھ ہوئے۔ دوسری ہندوستانی ریاستیں جہاں باغی فوجی نہیں پہنچ سکے تھے وہ کمپنی کے وفادار رہے اور فوجیوں کے خلاف کمپنی کی مدد کی۔

جدید دور میں 1857ء کی تاریخ لکھتے ہوئے اس واقعہ کو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ان میں سے ایک مذہبی ہے۔ مسلمان مورخ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ 1857ء کی جنگ صرف مسلمانوں نے لڑی اور اس میں ہندوؤں کا کوئی امتیازی حصہ نہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ جنگ ہندو اور مسلمانوں کی مشترک جنگ تھی۔ اس میں ہندوؤں نے بھی اسی قدر قربانیاں دیں جس قدر کہ مسلمانوں نے - اس حقیقت کو نہیں بھولنا چاہئے کہ اس جنگ کا پہلا شہید منگل پانڈے تھا۔ انگریزوں سے لڑنے کے لئے ہندو گنگا کے پانی پر اور مسلمان قرآن پر قسم کھاتے تھے انگلستان کے وزیراعظم ڈزرائیلی نے پارلیمنٹ میں جو بیان دیا اس میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ "ہماری حکومت میں پہلی مرتبہ ہندو اور مسلمانوں نے اتحاد کیا" پیر علی خاں' جو ایک انگریزی جاسوس تھا' اس کے گھر سے ایک خط برآمد ہوا اس سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں تفریق کی پالیسی بنائی تھی۔ 1857ء کے ہنگامہ میں پنڈت' ہندو سپاہیوں کو پتروں سے نکال نکال کر پیش گوئیاں دکھاتے تھے کہ ان کی فتح ہو گئی۔ وہ دہلی کے بازاروں میں پوتھیاں لئے پھرتے تھے اور دھرم شاستروں کے

حکم کے مطابق انگریزوں سے لڑنے کے لئے اکساتے تھے۔ ہندوؤں کی قربانیاں جو انہوں نے اس جنگ میں دیں' اسے یکسر مٹایا نہیں جا سکتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب کمپنی کے خلاف بغاوت نے شدت اختیار کی اور ہندوستان میں ان کا اقتدار خطرے میں پڑا' تو اس وقت مسلمانوں کے علماء کے ایک طبقہ نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کے احیاء کا نعرہ لگایا۔ لیکن بدقسمتی سے وہ ہندوستان کی سیاست اور حالات سے پوری طرح واقف نہ تھے کہ کیا وہ مغلیہ سلطنت کا احیاء چاہتے تھے یا اس کی جگہ مذہبی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے؟ 1857ء میں اس مذہبی طبقہ نے اس جنگ کو مذہبی رنگ دیا ان کی کوشش تھی کہ یہ تحریک صرف مسلمانوں تک محدود رہے۔ انہوں نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں ہیں جبکہ اکثریت ہندوؤں کی ہے۔ اگر ان کا مقصد یہ تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال کر وہ ہندوؤں کو پھر سے محکوم بنائیں' تو یقیناً" یہ ان کی غلط فہمی تھی۔ بدقسمتی سے علماء کے اس گروپ نے مذہب اور دین کا نعرہ لگا کر' اس تحریک کو تعصب اور مذہبی تنگ نظری کی جانب لا ڈالا اور دوسری طرف ہندوؤں میں بدگمانیاں پیدا کیں۔ کچھ واقعات ایسے ہوئے جنہوں نے ہندو مسلم اشتراک کی فضا کو جو اس ہنگامہ کے دوران عروج پر تھی' اس کو مذہبی تعصب سے زہر آلود کیا۔ ان میں مولوی احمد اللہ کی شخصیت اہمیت کی حامل ہے' جنہوں نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے' اپنا سکہ بھی ضرب کرایا :

سکہ زد در ہفت کشور خادم محراب شاہ
حامی دین محمد احمد اللہ بادشاہ

انہوں نے ایک پرانی مسجد جو مندر میں تبدیل ہو گئی تھی' اسے پھر سے مسجد میں تبدیل کرنا چاہا تو اس سے ہندوؤں کے جذبات مشتعل ہو گئے یہ ایک المیہ تھا کہ مذہبی تعصب اور تنگ نظری نے ہندو مسلم اتحاد پر کاری ضربیں لگا کر اس تحریک کو کمزور کیا۔ دہلی میں ایک مولوی سعید تھے انہوں نے جہاد کا جھنڈا بلند کیا۔ بادشاہ نے اس پر ان سے پوچھا کہ انگریز تو شہر میں نہیں' کس سے جہاد کرو گے' انہوں نے کہا کہ ہندوؤں سے اس پر بادشاہ نے انہیں سمجھا کر اس سے باز رکھا۔(7) لیکن اس کے نتائج

جو ہندو مسلمان تفریق کی شکل میں پیدا ہوئے اس کی سزا نہ صرف 1857ء میں ملی بلکہ اس کے اثرات سے دونوں قوتیں نقصان اٹھاتی رہیں۔

برصغیر ہندوستان و پاکستان کی آزادی کے بعد ہم نے اس ہنگامہ کو قومی نقطہ نظر سے دیکھا اور قومیت کے جوش میں بہت سی ایسی شخصیتوں کو ہیرو بنا دیا' جو اس مرتبہ کے لائق نہیں تھے' کیونکہ ان لیڈروں نے اس ہنگامہ کے خاتمہ کے بعد جب وہ گرفتار ہوئے تو خود کو انگریزوں کا وفادار ثابت کرنے کی کوشش کی اور باغیوں کو مورد الزام ٹھہرایا بریلی کے نواب خاں بہادر کا بیان اس کی مثال ہے:

> میں نے از خود بغاوت پر کمر نہیں باندھی' فوج سرکار انگریزی باغی ہو گئی اور جو جس ملک کا دعویدار تھا اس کو رئیس گردانا۔ چونکہ بریلی' شاہ' جہاں پور اور پیلی بھیت وغیرہ یعنی روہیل کھنڈ ہمارا ملک موروثی تھا۔ اس وجہ سے بخت خاں اور جملہ رعایا نے مجتمع ہو کر مجھکو مسند نشیں کیا۔ جس وقت آپ صاحبان نے فوج کے ظلم سے مجبور ہو کر ملک چھوڑ دیا۔ تب میں نے اپنا قبضہ کیا باقی باغیوں کی روک تھام اس دم میرے اختیار میں نہیں تھی۔ انہوں نے جو چاہا سو کیا۔ بعد ازاں لڑائیاں جا بجا سر میدان میری اور آپ کی فوج سے ہوئیں اس میں طرفین کا کشت و خون ہوا۔ اس میں میری کیا خطا؟(8)

1857ء کے مشہور راہنما' جن میں بہادر شاہ ظفر' نانا صاحب' جھانسی کی رانی اور حضرت محل تھیں یہ وہ لوگ تھے جو کمپنی کے ستائے ہوئے تھے۔ جن کی مراعات ان سے چھینی ہوئی تھیں۔ اس لئے اس جنگ میں شرکت سے ان کا مقصد قومی یا عوامی نہیں تھا بلکہ طبقاتی تھا کہ کامیابی کی صورت میں پھر سے وہ اپنی حیثیت بحال کر کے کھوئی ہوئی مراعات اور اقتدار حاصل کر سکیں گے اس کی مثال نانا صاحب کے اس منصوبہ سے ملتی ہے جو انہوں نے اپنی حکومت کے لئے بنایا تھا۔ اس منصوبہ میں انہوں نے افسروں اور عہدیداروں کی جو تنخواہیں رکھی تھیں وہ اس قدر تھیں کہ پیشوا نے اپنے عروج کے زمانہ میں بھی یہ تنخواہیں نہیں دی تھیں۔ مثلاً":

وزیراعظم : ایک لاکھ ماہانہ

خاصگی اور فدنی	:	25 ہزار ماہانہ
موجمدار	:	ایک ہزار ماہانہ

جبکہ سپاہیوں کی تنخواہیں یہ تھیں۔

حوالدار	:	8 روپیہ ماہانہ
جمعدار	:	13 روپیہ ماہانہ
صوبیدار	:	35 روپیہ ماہانہ
ہرکارہ اور چپراسی	:	6 روپیہ ماہانہ(9)

نانا صاحب کامیابی کی صورت میں پھر وہی پیشوا کی قدیم سلطنت اور شان و شوکت کو لانا چاہتے تھے یہی حال بہادر شاہ ظفر کا تھا کہ اس ہنگامہ میں جب کہ سپاہی زندگی اور موت کا مقابلہ کر رہے تھے اس وقت بھی انہیں دربار کی رسومات اور تقدس کی زیادہ فکر تھی۔(10)

1857ء کے اس ہنگامہ میں انگریزوں کے مخالفین کے جو سربراہ تھے انہوں نے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ہونے والی تبدیلیوں سے کچھ سبق نہیں سیکھا۔ وہ ماضی میں پناہ لینا چاہتے تھے اور پرانے نظام کے احیاء کے خواہش مند تھے۔ انہوں نے زمانہ کی ترقی اور حالات کا اندازہ نہیں کیا چنانچہ اس پورے ہنگامہ میں بار بار اس قسم کے اعلانات ہوئے کہ وہ ان تمام اصلاحات کو جو کمپنی نے کیں ہیں' ختم کر کے پھر سے پرانی روایات کو زندہ کریں گے۔ مثلاً" ستی کو جسے کمپنی نے ممنوع قرار دے دیا تھا اس پر خان بہادر نے تنقید کی کہ یہ ہندوؤں کی رسم ہے اور اسے جاری رہنا چاہئے۔ (11)انہوں نے اس پر بھی تنقید کی کہ جیلوں میں برہمن باورچی سب قیدیوں کے لئے کیوں کھانا پکاتا ہے اور یہ عمل حکومت کی جانب سے انہیں عیسائی بنانے کی ایک کوشش ہے اس لئے اس رسم کو بھی ختم کر دیا جائے۔(12)برجیس قدر والئی اودھ نے اپنے ایک اعلان میں ذکر کیا کہ مذہب' عزت زندگی اور جائیداد یہ چار چیزیں تھیں جو ہندوستانی حکمران کے عہد میں محفوظ تھیں۔ لیکن کمپنی کے زمانہ میں امراء اور اعلیٰ خاندانوں کی عزت نہیں ہوتی اور وہ اعلیٰ و ادنیٰ کو یکساں سمجھتے ہیں۔(13)اعظم گڑھ سے جو اعلان شائع ہوا اس میں زمینداروں اور تاجروں سے خطاب کرتے ہوئے اس بات

پر زور دیا کہ انہیں مقدمہ کے سلسلہ میں عدالت میں ادنیٰ درجہ کے لوگوں کی درخواست پر حاضر ہونا پڑتا ہے جو ان کی بے عزتی ہے۔(14)اس پس منظر میں ہم جب 1857ء کے ہنگامے کو عوامی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں تو پہلا سوال یہ ذہن میں آتا ہے کہ عوام کس حد تک اس انقلاب کے ساتھ تھے؟ ہندوستان میں یہ ہوتا آیا تھا کہ جب حکمران شاہی خاندان کے خلاف بغاوت ہوتی اور کوئی نیا خاندان برسراقتدار آتا' تو عوام ان تمام ہنگاموں سے لاتعلق اور دور رہتے تھے ان کے نزدیک ہربا اقتدار طبقہ ایک استحصالی طبقہ تھا اور حکومت یا شاہی خاندان کی تبدیلی ان کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں لاتی تھی وہ اسی طرح محنت کرتے اور اپنی محنت کا کوئی صلہ نہ پاتے تھے۔ عوام کے لئے ہندوستانی حکمران بھی اسی طرح استحصالی تھے جس طرح کمپنی - اس لئے ہندوستان کے عوام نے اس ہنگامہ میں بھرپور حصہ نہیں لیا۔ قومیت کے فقدان نے کسی قومی جذبہ کو پیدا نہیں کیا۔ ہندوستان کے حکمرانوں سے محبت اور وفاداری کے جذبات اس قدر شدید نہیں تھے کہ جس کی بنیاد پر یہ تحریک کامیاب ہوتی اس تحریک کے راہنما سیاسی و معاشی اور سماجی انقلاب کے نظریات سے عاری تھے اس لئے کمپنی کی مخالف طاقتیں نا اتفاقی' سازش اور آپس کے جھگڑوں کا شکار ہو کر ختم ہو گئیں۔

(4)

1857ء کے ہنگامہ ہندوستان آگ و خون کے دریا سے گزرا تکالیف و مصائب سہے' ظلم و ستم کا شکار ہوئے' لیکن ان تمام باتوں سے علیحدہ تاریخ کا اپنا دھارا ہوتا ہے جو ہماری خواہشات و تمناؤں کے خلاف بہتا ہے۔ 1857ء دراصل نئے اور پرانے نظریات روایات اور اقتدار کا ایک تصادم تھا' جس میں قدیم اور رجعت پسند نظریات کی شکست ہوئی۔ ہندوستان اگرچہ غیر ملکی اقتدار تلے آگیا لیکن اس غیر ملکی اقتدار نے اسے قرون وسطیٰ سے نکال کر جدید عہد میں داخل کر دیا اور اسی نقطہ نظر سے ہندوستان میں قومی تشخص کی ابتداء ہوئی اس لئے ہندوستانیوں کے نزدیک بظاہر یہ تحریک ناکام ہوئی لیکن اسی ناکامی نے ان میں قومیت حب الوطنی اور سیاسی شعور کو بیدار کیا۔

حوالے

J. Sarkar :Fall of the Moghal Empire I, Calcutta. 1950.P.P.59-60.

2- تاریخ اودھ (حصہ سوم) ص: 178-175

3- ایضاً: (حصہ سوم ص: 111-104

4- سرکار: (حصہ اول) ص: 80-79

5- ایضاً: ص: 62-61

6- سین ایس این: 1857ء کلکتہ 1958ء ص: 15-12

7- میاں محمد: علمائے ہند کا شاندار ماضی (حصہ چہارم) دہلی 1960ء ص: 144-143

8- سید مصطفیٰ بریلوی: جنگ آزادی 1857ء کا مجاہد: نواب خاں بہادر شہید کراچی 1966ء ص: 166-165

-9 P.C. Gupta :Nana Sahib and the Rising of Cawnpore. Oxford. 1963. P.P.87-81.

10- محمد میاں: ص 135-134

11- سین: ص 5

12- ایضاً: ص: 11

13- ایضاً: ص: 31

14- ایضاً: ص: 36

پندرھواں باب

1857ء: بدلتے نظریات

1857ء کو ہندوستان کی تاریخ میں انتہائی اہمیت اس لئے ہے کہ اس واقعہ کے بعد ہندوستان میں نہ صرف انگریزوں کے قدم جم گئے بلکہ انہوں نے ریاستی ڈھانچہ کو تبدیل کر کے ہندوستان میں اپنے اقتدار کو مستحکم کر دیا جیسا کہ تاریخ میں ہوتا ہے۔ ہر وہ اہم واقعہ کہ جو انقلابی تبدیلیاں لاتا ہے اس کے بارے میں مختلف نظریات قائم ہو جاتے ہیں اور اس واقعہ کی اہمیت کو مورخ اپنے اپنے نقطہ نظر سے پیش کرتے ہیں' یہی کچھ 1857ء کے واقعہ کے ساتھ ہے' کہ یہ ابتداء ہی سے سیاستدانوں' حکمرانوں اور مورخوں میں بحث کا سبب رہا ہے۔ اگرچہ ابتداء میں اس واقعہ کے اسباب' اثرات اور اہمیت پر جو بھی بحث ہوئی وہ صرف انگریزوں تک رہی کیونکہ ہندوستانی 1857ء کے مظالم سے اس قدر خوف زدہ تھے اور ان پر انگریزی حکومت کا اس قدر دباؤ تھا کہ انہوں نے اس موضوع پر کھل کر بات نہیں کی۔ مثلاً" انگریزوں نے اسے غدر کا نام دیا اور اس پر زور دیا کہ ہندوستان کے تمام لوگ اسے غدر ہی کہیں کیونکہ غدر سے یہ مفہوم نکلتا تھا کہ ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت قانونی اور جائز تھی اور اس کے خلاف ہندوستانیوں کا جو ردعمل ہوا اور جو ہنگامہ ہوا وہ بغاوت کے مترادف تھا' اس لئے جن ہندوستان مصنفوں' شاعروں اور وقائع نویسوں نے 1857 کے حالات لکھے انہوں نے اسے غدر ہی کہا اور اس بات کا اظہار کیا کہ یہ اقدام ہندوستانیوں کی جانب سے قانونی حکومت کے خلاف ناجائز تھا۔

لیکن ابتداء میں ہم اس واقعہ کے بارے میں برطانوی افسرانوں' سیاستدانوں اور مورخوں کے نظریات پر بحث کریں گے اور آخر میں یہ کہ کس طرح سے بتدریج اس واقعہ کے بارے میں ہندوستانیوں کے نظریات تبدیل ہوئے۔ مثلاً" یہ ایک حقیقت ہے کہ 1857ء کا واقعہ انگریزوں کے لئے حیرت کا باعث تھا اور جس طرح سے

ان کا اقتدار مستحکم ہو رہا تھا اور آہستہ آہستہ ہندوستانی طاقتیں کمزور ہو رہی تھیں۔ اس سے ان میں روز بروز اعتماد بڑھ رہا تھا اور اپنی حکومت کے خلاف کسی بغاوت' احتجاج یا ہنگامہ کا یہ تصور بھی نہیں کر رہے تھے اس لئے جب یہ ہنگامہ ختم ہوا تو انہوں نے اس مسئلہ پر غور کرنا شروع کیا کہ کیا یہ واقعی سپاہیوں کی بغاوت تھی؟ یا یہ ایک ایسی بغاوت تھی کہ جس میں ملک کی آبادی کے اکثر لوگوں نے حصہ لیا اور اس طرح برطانوی حکومت کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

جب 1857ء میں میرٹھ میں سپاہیوں نے بغاوت کی تو اکثر کا خیال تھا کہ یہ محض ایک ہنگامہ ہے اور جلد ہی یہ ختم ہو جائے گا۔ لیکن بعد میں اس نقطہ نظر پر اختلافات ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ برطانوی بیورو کریسی اس کی تمام ذمہ داری برطانوی فوج پر ڈالنا چاہتی تھی۔ اس لئے انہوں نے اس نقطہ نظر کو پھیلایا کہ یہ بغاوت سپاہیوں کی بغاوت تھی۔ اس طرح سے یہ سپاہیوں اور حکومت کے درمیان ایک کشمکش تھی۔ اس کے مطابق اس بغاوت کا کوئی تعلق حکومت اور عوام کے درمیان اختلافات سے نہیں تھا۔ کلکتہ میں جو یورپی تاجر تھے وہ اس واقعہ کی ساری ذمہ داری گورنر جنرل کیننگ کے سر ڈال رہے تھے کہ جس کی نرم پالیسی کی وجہ سے ہندوستانیوں کو یہ خیال ہوا کہ حکومت کمزور ہے اور اس کے خلاف لڑا جا سکتا ہے۔

اس واقعہ کا اصل تجزیہ اس وقت ہوا کہ جب انگریزوں کے خلاف تمام تحریکوں کو بری طرح سے کچل دیا گیا اور انگریزی حکومت نے خود کو دوبارہ سے مستحکم کر لیا' مگر ساتھ ہی میں انہوں نے اس بات کو محسوس کیا کہ اس واقعہ کے اسباب' وجوہات اور نتائج پر غور کیا جائے تاکہ ان کا بروقت سدباب کر کے ان کے دوبارہ وقوع پذیر ہونے کو روکا جائے۔ اس سلسلہ میں پہلی کتاب جے - ڈبلیو - کے "سپاہیوں کی جنگ کی تاریخ " تھی جو لندن سے 1867ء میں شائع ہوئی۔ اس میں اس نے واقعہ کا تجزیہ کرتے ہوئے اس بات کی نشاندہی کی کہ برطانوی پالیسی کے نتیجہ میں ہندوستان کے امراء کے طبقہ کو ان کی مراعات سے محروم کیا گیا۔ مذہبی طبقہ کے لوگوں کی حیثیت نئی حکومت میں کم ہوئی اور وہ کسان کے جن کے پاس جائیدادیں تھیں' وہ ریونیو کی نئی پالیسی کی وجہ سے ان سے محروم ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان تینوں طبقوں نے انگریزی حکومت

کے خلاف بغاوتوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ تجزیہ جذباتی نہیں تھا بلکہ اس نے حقائق کو سامنے رکھ کر اور جذبات سے عاری ہو کر' اصل اسباب کی طرف نشاندہی کی تھی۔

مگر اس کے مقابلہ میں ایسے مورخ بھی تھے کہ جو پورے واقعہ کو جذبات کی روشنی میں دیکھ رہے تھے ان کے نزدیک یہ جنگ حق و باطل کے درمیان ایک تصادم تھی کہ جس میں حق انگریزوں کی طرف تھا' اس لئے انہوں نے خصوصیت سے ہندوستانیوں کی جانب سے انگریزوں پر جو مظالم ہوئے تھے ان کو خوب بڑھا چڑھا کر اور مبالغہ آمیزی کے ساتھ پیش کیا۔ یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ انگریزوں نے جو مظالم ہندوستانیوں پر دکھائے وہ ان کے سامنے مدھم اور دھندلے ہو جائیں۔ یہاں تک کہ خود ہندوستانی مورخوں نے بھی انگریزی حکومت کے ڈر سے ان کے مظالم کا تذکرہ نہیں کیا اور انگریز عورتوں بچوں کی مظلومیت داستانیں دلگداز انداز میں لکھیں۔ اس کی سب سے اچھی مثال سی - بی - میلسن کی کتاب "1857ء کا ہندوستانی غدر" ہے جو لندن سے 1891ء میں چھپی۔ اول تو اس نے کیننگ پر زبردست تنقید کی کہ اس کی نرمی کی وجہ سے ہندوستانیوں کو یہ جرات ہوئی کہ وہ برطانوی حکومت کو آنکھیں دکھائیں' اگر حکومت سخت ہوتی تو کسی کو یہ ہمت نہیں ہوتی کہ وہ بغاوت کا خیال بھی دل میں لاتا۔

اس کے خیال کے مطابق 1857ء کا سارا ہنگامہ اس لئے ہوا کہ فیض آباد کے مولوی' نانا صاحب اور رانی جھانسی وغیرہ نے مل کر سازش کی ورنہ اس کے پیچھے انگریزی حکومت کے رویہ کے خلاف عوام میں کوئی مخالفانہ جذبات نہیں تھے۔ کیونکہ اس بغاوت نے انگریزی حکومت کی بنیادوں کو ہلا دیا تھا' اس لئے اس نے ان انگریز جنرلوں' کمانڈروں اور سپاہیوں کی تعریف کی ہے کہ جنہوں نے اپنی بہادری' جرات اور ہمت سے ہندوستانیوں کو شکست دے کر برطانوی حکومت کو دوبارہ استحکام بخشا۔

ٹی - رائس - ہومز نے اپنی کتاب "ہندوستانی غدر کی تاریخ" (1883ء) میں تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ ابتداء میں سپاہیوں نے بغاوت کی اور جب ان کی بغاوت کے نتیجہ میں حکومت کمزور ہوئی۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے ٹوٹ گئے اور ان کا

کنٹرول ختم ہو گیا تو اس نتیجہ میں مختلف علاقوں میں ان جماعتوں اور گروہوں نے بغاوتیں شروع کر دیں کہ جو کسی نہ کسی وجہ سے حکومت سے ناراض تھے۔ ان میں تعلقدار اور وہ زمیندار شامل تھے کہ جنہیں ان کی جائیدادوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے بدامنی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لوٹ مار شروع کر دی۔

1857ء کے بارے میں ایک اور نقطہ نظر بڑا اہم ہے' اس کو خاص طور سے ان چند برطانوی افسران نے پیش کیا کہ جو شمالی ہندوستان میں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ جہاں تک ہندوستانی عوام کا تعلق ہے ان کی اکثریت برطانوی اقتدار میں خوش تھی اس ساری گڑ بڑ کی وجہ مسلمان امراء کا طبقہ تھا کہ جنہوں نے عوام کو بھڑکایا اور انہیں حکومت سے لڑا دیا۔ ولیم میور اور الفرڈ لوئل خاص طور سے اس نقطہ نظر کے قائل تھے۔ اس لئے لوئل نے لکھا ہے کہ سارا ہنگامہ اور شورش مسلمانوں کی ایک سازش ہے۔ "سپاہی تو محض ان کے ہاتھوں میں کھلونہ تھے" اسی نقطہ نظر کو جے - سی - براؤن نے اپنی کتاب "پنجاب اور دہلی 1857ء میں" (1861ء) پیش کیا کہ مسلمانوں نے لوگوں کو اس ہنگامہ میں اکسایا اور ہندوؤں کو دھوکہ دیا گیا' ورنہ وہ برطانوی حکومت کے خلاف نہیں تھے۔

معاصر ہندوستانیوں نے اس موضوع پر جو بھی لکھا' اس میں انہوں نے اپنی ذاتی پریشانیوں اور لوگوں کی تکالیف کو تو بیان کیا ہے مگر برطانوی جرائم کے بارے میں مکمل خاموشی اختیار کی ہے' اس موضوع پر ظہیر احمد دہلوی کی کتاب "داستان غدر" قابل ذکر ہے۔ اس میں مصنف نے 1857ء سے پہلے کی دہلی کی سماجی زندگی کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے اور پھر اس کے بعد دہلی کا اجڑنا' دہلی کے باشندوں کا دربدر ہونا اور پورے معاشرہ کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا بتایا گیا ہے۔ اس واقعہ کا متاثرہ لوگوں کے دل و دماغ پر جو اثر ہوا اس کا اندازہ غالب کے ان خطوط سے بھی ہوتا ہے جو انہوں نے اس واقعہ کے بعد لکھے۔

جب ہندوستان میں تحریک آزادی کی ابتداء ہوئی۔ تو اس زمانہ میں انگریزی حکومت کے خلاف لوگوں میں جذبات پیدا کرنے اور ان میں حوصلہ اور ہمت پیدا کرنے کے لئے ضروری تھا کہ تاریخ کے ان پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے کہ جن میں

لوگوں نے انگریزوں کی مخالفت کی' اس ضمن میں 1857ء کا واقعہ خاص طور سے اہمیت کا حامل تھا کیونکہ اس دور میں نہ صرف یہ کہ انگریزی حکومت کے خلاف بغاوتیں ہوئیں بلکہ اس دور میں ایسے افراد بھی ابھرے کہ جنہوں نے آزادی کی خاطر جانیں قربان کر دیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں وی - ڈی - ساورکر نے "ہندوستان کی 1857ء کی جنگ آزادی" پر کتاب لکھی جو 1909ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ اس کے پہلے ایڈیشن پر مصنف نے اپنا نام شائع نہیں کرایا تھا۔ یہ کتاب بڑے جذباتی انداز میں لکھی گئی ہے اور قوم پرستی کے زیر اثر اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو ہندوستانی قوم کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور جنگ میں حصہ لینے والے ہندو اور مسلمان دونوں کو ہیروز بنایا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ غیر ملکی حکومت اور اقتدار کے خلاف ہندوؤں اور مسلمانوں نے بحیثیت متحدہ ہندوستانی قوم کے جدوجہد کی۔

برصغیر کی تقسیم کے بعد (1947ء) 1857ء کے واقعہ کو آزادی کے پس منظر میں مختلف نقطہ ہائے نظر سے بیان کیا گیا' کیونکہ اب انگریزی اقتدار ختم ہو چکا تھا اور تاریخ کو جذباتیت کے ساتھ بیان کرنے کے بجائے حقیقت پسندانہ انداز میں دیکھنے کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں سب سے اچھی کتاب ایس - ایس - سین کی "1857ء" ہے جو ہندوستان کی حکومت نے 1957ء میں جنگ آزادی کے صد سالہ موقع پر شائع کی تھی۔ سین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ 1857ء میں جو کچھ ہوا یہ کسی سازش کے نتیجہ میں نہیں ہوا بلکہ یہ ایک قومی بغاوت تھی۔ سین کے اس نقطہ نظر کو آر - سی - موجمدار نے رد کیا اور انہوں نے اپنی کتاب "1857ء میں سپاہیوں کی بغاوت" (1957ء) میں اس پر زور دیا کہ یہ کوئی قومی بغاوت نہیں تھی' بلکہ یہ محض سپاہیوں کی شورش تھی اور اس دوران جو شہری بغاوتیں ہوئیں وہ اس بغاوت کا نتیجہ تھیں۔ ایس - بی - چودھری نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے "ہندوستانی شورش میں شہری بغاوتیں" (1957ء) میں اس نقطہ نظر کو پیش کیا کہ 1857ء برطانوی حکومت کے خلاف ایک قومی بغاوت تھی اور اس کا اظہار ان بغاوتوں سے ہوتا ہے جو انگریزوں کے خلاف جگہ جگہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

پاکستان میں اس واقعہ کو مذہبی رنگ دیا گیا' آئی - ایچ قریشی اور معین الحق نے

اس پوری جدوجہد کو مسلمانوں کی جنگ آزادی قرار دیا' اس طرح سے انہوں نے ولیم میور اور الفرڈ لوئل کے نقطہ نظر کی حمایت کی کہ اس سارے ہنگامہ اور فساد کی ذمہ داری مسلمانوں پر تھی اور اس کا تعلق ہندوؤں سے نہیں تھا۔

اس موضوع پر اردو میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اس واقعہ کے پس منظر میں صرف مسلمانوں کی جدوجہد کو ابھارا گیا ہے۔ بلکہ محمد میاں نے اپنی کتاب "1857ء اور جانباز حریت" (1960ء) میں صرف علماء کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ علماء سب سے زیادہ اس تحریک میں پیش پیش تھے اسی نقطہ نظر سے غلام رسول مہر کی کتاب "1857ء" ہے۔

انگریزی دور حکومت میں 1857ء کو غدر کہا جاتا رہا۔ لیکن پھر قومی تحریک آزادی کے سلسلہ میں اسے ہندوستانیوں نے جنگ آزادی کہا اور آج ہندوستان و پاکستان دونوں ملکوں میں مورخین کی اکثریت اس کے لئے یہی اصطلاح استعمال کرتی ہے۔ اس مسئلہ پر 1922ء میں ایف - ڈبلیو - بکلر نے ایک مضمون لکھا تھا۔ جس کا عنوان تھا "ہندوستانی بغاوت کی سیاسی تھیوری" اس میں اس نے اس بات کی جانب اشارہ کیا کہ 1857ء میں درحقیقت باغی' انگریز تھے' ہندوستانی نہیں' اس نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے اس نے کہا کہ ہندوستان میں قانونی طور پر مغلوں کی بادشاہت تھی اور انگریزوں نے ان کی اس قانونی حیثیت کو تسلیم کر رکھا تھا اور وہ دربار کی رسومات اور آداب کو پورا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ ضرور ہوا تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ وہ ان رسومات و آداب کو پورا کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرنے لگے تھے۔ مگر انہوں نے بادشاہ کی قانونی حیثیت کو چیلنج نہیں کیا تھا اور دیکھا جائے تو حقیقت میں 1765ء کے بعد انگریزوں کی حیثیت ریونیو وصول کرنے والوں کی تھی۔ انگریزوں نے ہندوستان میں اپنا اقتدار قائم کر کے اس نظام کو توڑا جو مغلوں نے قائم کر رکھا تھا۔ اس وجہ سے مغل بادشاہ جو ایک سیکولر اور روحانی حیثیت کا حامل تھا' اس کو کمزور کر کے انگریزوں نے اس اتحاد کو توڑا۔ 1848ء کے بعد انگریزوں نے اس بات کی کوشش شروع کی کہ شاہی رسومات کی خلاف ورزی کی جائے۔ اس طرح انہوں نے بادشاہ سے وفاداری کا جو عہد کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی۔ 1856ء میں انہوں نے اودھ پر قبضہ

کر کے مغل بادشاہ کے نواب وزیر کو اس کے علاقہ سے محروم کیا۔ اس لئے دیکھا جائے تو انگریزی آہستہ آہستہ بغاوت کی جانب جا رہے تھے اور مغل قانون و رسومات و روایات کی مخالفت کر رہے تھے۔

1857ء میں انگریزوں کو اس بات کا موقع ملا کہ وہ وفاداری کو مکمل طور پر ترک کر دیں۔ اس لئے انہوں نے طاقت کے زور پر مغل بادشاہ کو گرفتار کیا۔ اس پر مقدمہ چلایا اور اسے ذلیل و خوار کیا تاکہ لوگوں میں بادشاہ کی جو عزت و احترام ہے وہ ختم کی جائے' اس کے بعد بادشاہ کو مجرم قرار دے کر اسے جلاوطن کیا گیا اور مرنے کے بعد اسے رنگون میں دفن کیا تاکہ وہ انگریزوں کے خلاف چلائی جانے والی جدوجہد کی علامت نہ بننے پائے۔ ان تمام باتوں کے باوجود انگریزوں نے مغل بادشاہ کو غدار کہا اور خود کو قانونی حکمران سمجھا اور اسی لئے 1857ء کو غدر کا نام دیا۔

1857ء کے واقعہ پر جو سماجی' ثقافتی اور معاشی نقطہائے نظر سے تحقیقات ہو رہی ہیں وہ اسی نہج پر ہیں جیسی کہ فرانسیسی انقلاب پر ہوئیں۔ ایک عرصہ تک فرانسیسی انقلاب میں شہروں اور دیہات میں ہونے والی بغاوتوں کو ایک سمجھا جاتا تھا۔ مگر جب اس موضوع پر گہرائی کے ساتھ تحقیقات ہوئیں تو یہ نتائج نکالے گئے کہ ان بغاوتوں کا تعلق ایک دوسرے سے نہیں تھا اور یہ بغاوتیں علیحدہ علیحدہ اپنے مخصوص حالات کے تحت ہوئیں۔ اس چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے 1857ء کے سلسلہ میں جو نئے پہلو سامنے آ رہے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے اس واقعہ کو محدود نقطہ نظر سے دیکھنے کے بجائے وسعت کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔

اڈورڈ - آئی - بیروڈکن نے اپنے ایک مضمون "جانشینی کی جدوجہد ہندوستان کے غدر میں باغی اور وفادار" (1972ء) روہیل کھنڈ کے علاقہ کے حالات لکھتے ہوئے اس کشمکش کی نشان دہی کی ہے جو افغانوں اور راجپوتوں کے درمیان تھی۔ اس علاقے میں افغان دیر سے آئے اور انہوں نے راجپوتوں کی طاقت ختم کر کے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اس لئے ان دونوں گروہوں میں سخت اختلافات تھے اور جب انگریزوں کے خلاف ہنگامے ہوئے تو اس میں افغانوں نے ان کے خلاف اس امید پر حصہ لیا کہ وہ اپنا چھینا ہوا اقتدار واپس حاصل کر لیں گے مگر راجپوتوں نے اس کے برخلاف برطانوی

حکومت کا ساتھ دیا اور خاص طرح یہ وہ باغی اور وفاداری جماعتوں میں بٹ گئے۔

اسی طرح 1857ء میں دوسرا گروہ جو باغیوں میں ممتاز رہا وہ جاٹوں کا تھا۔ مگر تمام جاٹوں نے مخالفت میں حصہ نہیں لیا۔ وہ جاٹ جنکو مشرقی جمنا کی نہر سے فائدہ ہوا تھا وہ خاموش رہے' مگر جاٹوں کے وہ علاقے جہاں پانی نہیں پہنچا تھا اور جن کی زمینیں زرخیز نہیں تھیں اور جنہیں زیادہ ریونیو بھی دینا پڑ رہا تھا' انہوں نے بغاوت کی۔ اس کی دوسری مثال گوجر قبائل کی ہے ان میں سے اکثر گوجر برطانوی چھاؤنیوں کے اردگرد رہتے تھے جب سپاہیوں نے بغاوت کی اور انگریز کمزور ہو گئے تو انہوں نے چھاؤں میں ان کے گھروں پر حملہ کر کے لوٹ مار کی مگر جو گوجر گاؤں میں آباد تھے اور خوش حال تھے وہ ان ہنگاموں سے دور رہے۔ چنانچہ 1857ء میں جو پیٹرن (Pattern) تھا وہ یہ کہ مالدار زمیندار اکثر وفادار رہے' مگر وہ زمیندار جو اپنی جائدادوں سے محروم ہوئے تھے' یا جنہیں دولت کمانے کے مواقع نہیں ملے تھے انہوں نے بغاوت میں حصہ لیا۔ مثلاً" جو لوگ جمنا کے کنارے اور جرنیلی سڑک سے دور آباد تھے ان کی پیداوار مارکیٹ میں سہولت کے ساتھ نہیں جا سکتی تھی۔ اس لئے ان میں غم و غصہ اور احساس محرومی تھا۔ مگر جن زمینداروں اور کسانوں کی پیداوار سڑک کی سہولت کی وجہ سے مارکیٹ میں چلی جاتی تھی وہ اس ہنگامہ سے لاتعلق رہے۔

برطانوی اقتدار کے زمانہ میں تاجروں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا تھا' جسے تجارت میں بہت فوائد ہوئے تھے۔ اس لئے یہ انگریزوں کے وفادار رہے۔ مگر ان تاجران نے مخالفت کی جن کی تجارت کو نقصان پہنچا تا۔ یہی صورتحال ملازم پیشہ لوگوں کی تھی جو لوگ کمپنی کی ملازمت میں تھے اور اس سے فائدہ اٹھا رہے تھے انہوں نے اپنی طاقت کو استعمال کر کے برطانوی اقتدار کے تحفظ کے لئے کام کیا۔ اس کی ایک مثال سرسید احمد خان کی ہے جو اس وقت بجنور میں تھے اور کمپنی کے مفادات کے لئے کام کر رہے تھے۔

اس ہنگامہ میں بہت کم مسلمان علماء نے بھی حصہ لیا' مگر ساتھ ہی ان میں اس پر اختلافات بھی ہوئے کہ کیا ہندوستان برطانوی اقتدار میں دارالحرب ہے یا دارالامان؟ کچھ کا خیال تھا کہ یہ دارالامان ہے کیونکہ اس میں مذہبی آزادی ہے اس نقطہ نظر کے

حامی وہ علماء تھے جو کمپنی کی ملازمت میں تھے اور جن کا سماجی مرتبہ بڑھا ہوا تھا' اس لئے صرف تھانہ بھون کے علاقے میں جہاں علماء کی مالی حالت اچھی نہیں تھی انہوں نے انگریزوں کے خلاف آواز بلند کی۔

اس طرح اگر مختصراً" اس ہنگامہ کو دیکھا جائے تو کمپنی نے بنگال کے بعد جب شمالی ہندوستان میں اپنا اقتدار قائم کیا تو اس کے نتیجہ میں سیاسی اور سماجی ڈھانچہ میں تبدیلیاں آئیں۔ ان تبدیلیوں سے خصوصیت سے زمیندارانہ نظام متاثر ہوا۔ انگریزوں نے اودھ میں خصوصیت سے تعلقداروں کے سیاسی اثر کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں ان کی زمینیں فروخت ہوئیں یا ضبط کرلی گئیں جس کی وجہ سے ان میں بے چینی پھیلی۔ 1856ء میں جب انگریزوں نے اودھ پر قبضہ کیا تو لگان کا معاہدہ حکومت برطانیہ سے ہوا اودھ میں تعلقدار بڑے طاقتور تھے۔ ان کی اپنی فوج ہوا کرتی تھی اور حفاظت کے لئے ان کے مضبوط قلعے تھے ان کی خواہش تھی کہ انگریزوں سے نیا معاہدہ کریں اور نواب اودھ کو جو بقایا جات دینے تھے وہ نہ دیں' مگر انگریز اس پر تیار نہیں ہوئے اور ان کے خلاف کارروائی کی۔ جس نے تعلقداری نظام کو توڑ دیا' اس کے ٹوٹنے سے امراء کا طبقہ بکھر گیا اور اس ڈھانچہ کے ٹوٹنے سے عام لوگ بیکار ہو گئے۔ اودھ کے الحاق کے بعد نواب کی فوج کے 60 ہزار سپاہی بیروزگار ہوئے۔ ان سب باتوں نے مل کر سیاسی بے چینی کو پیدا کیا اور اسی طرح سے سپاہیوں کی بغاوت محروم' بے روزگار اور غیر مطمئن طبقوں کی بغاوت بن گئی۔

اس ہنگامہ کے دوران اور بعد میں انگریزوں نے اہل ہندوستان پر جو مظالم کئے وہ دل ہلا دینے والے تھے۔ لوگوں کو پھانسی پر لٹکانا' توپ کے منہ سے لوگوں کو باندھ کر اڑانا' زندہ جلانا' عورتوں و بچوں کو بلا تخصیص قتل کرنا' عمارتوں کو مسمار کرنا' قیمتی اشیاء کو لوٹنا' لوگوں کے جسموں پر سور اور گائے کی چربی ملنا وغیرہ وغیرہ - ان مظالم نے اہل ہندوستان اور خصوصیت سے شمالی ہندوستان کے متاثرہ علاقوں کے لوگوں کو دہشت زدہ کر کے رکھ دیا اور پورے معاشرے پر ایسا سکتہ اور سناٹا چھایا کہ سوائے مایوسی اور نا امیدی کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔

پاکستان کے علاقوں میں 1857ء کے اثرات نہ ہونے کے برابر ہوئے کیونکہ

سندھ 1843ء اور پنجاب 1849ء میں برطانوی اقتدار میں آیا تھا اور یہاں پر برطانوی تسلط کے نتائج ماس وقت تک ابھر کر عام لوگوں کے سامنے نہیں آئے تھے اس لئے ان علاقوں میں 1857ء میں صرف چند شہروں میں چھاؤنیوں میں معمولی سی بغاوتیں ہوئیں۔

چونکہ برصغیر کی آزادی کے بعد ہندوستان و پاکستان میں 1857ء کو جنگ آزادی کا نام دیا گیا اس لئے پاکستان میں بھی یہ کوشش ہو رہی ہے کہ وہ پنجاب و سندھ یا بلوچستان میں ہونے والی بغاوتوں کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کریں۔ ایسی تمام کوششیں تاریخی حقائق سے زیادہ جذبات پر مبنی ہیں۔ 1857ء میں جو بغاوت ہوئی اس کا تعلق پاکستان کے علاقوں سے نہیں تھا' نہ ہی یہاں پر وہ وجوہات اور اسباب تھے کہ یہ بغاوت پھیلتی' یہ بغاوت عام طور سے صرف شمالی ہندوستان میں محدود رہی اور اس کے جتنے ہیرو ہیں ان کا تعلق بھی انہیں علاقوں سے ہے اس لئے 1857ء کے واقعات کو اس پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے اور نہ تو اس کی ضرورت ہے کہ اہل پنجاب یا اہل سندھ یہ ثابت کریں کہ انہوں نے بھی اس میں حصہ لیا۔ اور نہ یہ کہ وہ معذرت خواہانہ طرز اختیار کریں۔ کیونکہ 1857ء کی بغاوت پاکستان کے علاقوں سے دور ہوئی۔ اس لئے یہ یہاں کی تاریخ کا حصہ نہیں ہے۔

مغل حکمران

حکمران	سال
1- ظہیر الدین بابر	1526ء
2- ناصر الدین ہمایوں (پہلا دور حکومت)	1530ء
سوری دور حکومت	1540ء سے 1555ء
ہمایوں (دوسرا دور حکومت)	1555ء
3- جلال الدین اکبر	1556ء
4- نور الدین جہانگیر	1605ء
5- داور بخش	1627ء
6- شہاب الدین شاہ جہاں	1628ء
7- مراد بخش (گجرات میں)	1657ء
8- شاہ شجاع (بنگال میں)	1660-1657ء
9- محی الدین اورنگ زیب عالمگیر	1658ء
10- اعظم شاہ	1707ء
11- کام بخش (دکن میں)	1707ء
12- شاہ عالم اول - بہادر شاہ اول	1707ء
13- عظیم الشان	1712ء
14- معز الدین جہاں دار شاہ	1712ء
15- فرخ سیر	1713ء
16- شمس الدین رفیع الدرجات	1719ء
17- رفیع الدولہ شاہ جہاں دوم	1719ء
18- نیکو سیر	1719ء
19- ناصر الدین محمد	1719ء
20- احمد شاہ بہادر	1748ء
21- عزیز الدین عالمگیر دوم	1754ء

22- شاہ جہاں سوم	1760ء
23- جلال الدین علی جوہر شاہ عالم دوم (پہلا دور حکومت)	1760ء
24- بیدار بخت	1778ء
25- شاہ عالم دوم (دوسرا دور حکومت)	1788ء
26- معین الدین اکبر دوم	1806ء
27- سراج الدین بہادر شاہ دوم	1858-1838ء

کتابیات

فارسی و اردو

ابن خلدون : مقدمہ - اردو ترجمہ مولانا سعد حسن خاں کراچی(؟)

ابوالفضل : آئین اکبری، کلکتہ، 1867-1877ء

انتظام اللہ شہابی : نواب نجیب الدولہ اور جنگ پانی پت۔ کراچی 1958ء

انیس فاطمہ : 57ء کے ہیرو۔ کراچی 1956ء

ایس - ایم - اکرم و وحید قریشی : (مرتبہ) دربار ملی (قومی زندگی کی کہانی معاصرین کی زبانی) لاہور 1966ء

پولیرلوئی آنزی : شاہ عالم ثانی کے عہد کا دہلی دربار اردو ترجمہ نصیب اختر کراچی 1967ء

خافی خاں : منتخب اللباب (حصہ چہارم) اردو ترجمہ۔ کراچی 1963ء

خلیق احمد نظامی : تاریخ مشائخ چشت - اسلام آباد(؟)

خورشید مصطفیٰ رضوی : جنگ آزادی اٹھارہ سو ستاون، دہلی 1959ء

رئیس احمد جعفری : واجد علی شاہ اور انکا عہد، لاہور(؟)

بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد لاہور 1950ء

سر سید احمد خاں : سیرت فریدیہ، مقالات سر سید، حصہ شانزدہم، لاہور 1965ء

سعادت یار خاں رنگین : اخبار رنگیں کراچی 1962ء

شاہ نواز خاں، صمصام الدولہ : ماثر الامراء کلکتہ 1888-1891ء

ظہیر دہلوی : داستان غدر - لاہور 1955ء

عبدالقادر مولوی : علم و عمل (وقائع عبدالقادر خاں) جلد 2 اردو ترجمہ مولوی معین الدین افضل گڑھی۔ کراچی 1961ء

عتیق احمد صدیقی : اٹھارہ سو ستاون - اخبار اور دستاویزیں دہلی 1966ء

غلام حسین طباطبائی : سیر المتاخرین اردو ترجمہ یونس احمر کراچی 1965ء

غلام رسول مہر 1857ء لاہور(؟)

فیض الدین منشی : سوانحات سلاطین اودھ۔ جلد 2 لکھنوٴ 1896ء

مبارک اللہ واضح : تاریخ ادارت خاں۔ لاہور 1971ء

مصطفیٰ بریلوی : جنگ آزادی 1857ء کا مجاہد' نواب خاں بہادر شہید۔ کراچی 1966ء

مفتی ولی اللہ فرخ آبادی : عہد بنگش کی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ - اردو ترجمہ حکیم شریف الزماں شریف اکبر آبادی۔ کراچی 1965ء

محمد حسین آزاد : آب حیات لاہور(؟)

محمد میاں : علماء ہند کا شاندار ماضی جلد 3 دہلی 1957ء

محمود احمد عباسی : وقائع دلپذیر بادشاہ بیگم اودھ کراچی(؟)

میر تقی میر : میر کی آپ بیتی۔ اردو ترجمہ۔ نثار احمد فاروقی۔ دلی 1957ء

میر حسین علی کرمانی : نشان حیدری۔ اردو ترجمہ۔ محموداحمد فاروقی کراچی 1960ء

نجم الغنی خاں : تاریخ اودھ۔ جلد 1-5 لکھنوٴ 1919ء

تاریخ ریاست حیدر آباد دکن' لکھنوٴ 1930ء

نصیر الدین ہاشمی : دکنی کلچر۔ لاہور 1963ء

Malwa and Adjoining Provinces. Vol. 1-2. Shannon/Ireland, 1972.

Mudford, Peter :Birds of Different Plumage. London, 1974.

Orlich, Captain, Leopold Von. :Travels in India, including Sind and the Punfab Vol. 1-2. London, 1845.

Parks, Fanny. :Wanderings of the Pilgrim in Search of the Picturesque. Vol.1-2. Karachi, 1975.

Sarkar, J. :Fall of the Mughal Empire. Vol. 1-4. Calcutta, 1950.

Sen, S.N. :Eighteen Fifty Seven. Calcutta, 1958.

Sleeman, W.H.:Rambles and Recollections of an Indian Official. Karachi, 1973.

Spear, P. :Twilight of the Mughals Cambridge, 1951.

Srivastava, A.L :Shuja-ud-Daulah. Calcutta, 1939.

Thompson, E.:The making of the Indian Princes. London, 1978.

Andrew, C.F. :Zaka Ullah of Delhi. Lahore, 1976.

Basu, B.D.Major:Rise of the Christian Power in India. Second edition.Calcutta,1931.

Bidwell, S. :Swords for Hire. London, 1971.

Chamberlain, M.E. :Britain and India. Hambden, Connecticut, 1974.

.Chandra, Satish :Parties and Politics at the Mughal Court. 1707-1740. Third edition. Delhi, 1979.

Chaudhary, S.B. :Civil Rebellions in the Indian Mutinies. Calcutta, 1957.

Dubois,AbbeJ.:Hindu Manners, Customs and Ceremonies. Reprinted. Oxford, 1959.

Duff, J.G. :A History of the Marattas. Bol. 1-3. Calcutta, 1912.

Edwardes, Michael :British India. 1772-1947. London,1967.

____________:King of the World. London, 1970.

____________:The Orchid House. London, 1960.

Ganda Singh :Ahmad Shah Durrani. Bombay, 1959.

Grey, C. :European Adventurers of Northern India.1785 to 1849. Lahore, 1929.

Gupta H.R. :Later Mughal History of the Punjab.Lahore, 1976.

Gupta, P.C. :Nana Sahib and the Rising at